ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
زیر سرپرستی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۱۱ مئی ۱۹۵۶
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

محسنۂ کائنات

(۴)

از لال دین اختر شاہکوٹ

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خدائی فیصلوں کو بدل و قبول کرے، ہمیشہ اپنی فلاح و بہبود کے حصول و تعیین کی تلاش کتاب اللہ اور سنت انبیاء کرام کے اسوۂ حسنہ میں کرتا رہے کیونکہ عبدیت کی سربلندی اور بندگی کی سرفرازی کا راز فقط تسلیم رضا میں مضمر ہے اور انبیاء کرام سے زیادہ اس خوبی سے مزین اور کوئی نظر نہیں آتا۔ عبدہٗ کے لئے احکم الحاکمین کے سامنے گردن جھکانے، آنسو بہانے اور سر نیاز خم کرنے میں جو لطف و سرور ہے اُس کا بیان زبان قال سے ہرگز ممکن نہیں۔ اقبال مرحوم مے عبدیت میں مخمور ہو کر فرماتے ہیں ؎

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

حقیقت ہے کہ جذبۂ تسلیم و رضا کے راہ نوردوں کی روحانی کیفیات کا اظہار الفاظ میں کب ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہوش و خرد کا وہاں گزر ہی نہیں ہاں یوں سمجھئے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

قرآن حکیم کے اوامر و نواہی میں فکر کیجئے زندگی کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور اسوۂ محبوب خدا کا شام و سحر مطالعہ لائحہ عمل بنائیے تو حیات ابدی کی تمام راہیں آپ پر کھل جائیں گی

الحمد للہ ثم الحمد للہ! قرآن پاک کو زیر بحث عنوان "محسنۂ کائنات" کا مؤید پاتا ہوں بلکہ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے والدین کو دین اسلام میں ہر مقام پر ایک ممتاز حیثیت پیش کی گئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں خداوند عالم نے اپنے بندوں کے نام ایک پیغام جاری فرماتے ہوئے والدین کی فوقیت اور علو مرتبت کو ہمارے معاشرے میں خوب واضح کیا ہے کہ احکام خداوندی پر غور و خوض کرنے کے بعد فرمانبردار اولاد کی دنیاوی و اُخروی سرخروئی جنت بن کر اور سرکش اولاد کی بغاوت جہنم بن کر سامنے آجاتی ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ساری کائنات کے انسانوں کی راہنمائی کے لئے ارشاد ہوتا ہے وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا۔ اے رسول ہاشمی تیرے خدا نے فیصلہ کر لیا ہے اور اس فیصلے کا اعلان کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس فیصلے کا پہلا حصہ حقوق اللہ کا ملخص ہے۔ اور دوسرا حصہ حقوق العباد کا دیباچہ ہے گویا کہ یہ فیصلہ ایسا جامع و مانع ہے کہ اُس کو خلاصۂ اسلام کہنا چاہیئے۔ لہٰذا اعلان فرما دیجئے کہ اے انسانو آسمانوں اور زمینوں میں فقط ایک ہی معبود حقیقی ہے اس لئے اُسی ایک کی عبادت کرو۔ اور اس کے سوا کسی غیر کے سامنے اپنی انسانی شرافت کو ذلیل نہ ہونے دو۔ یہی وہ پیغام ہے۔ جس کے صلے میں بنی آدم کو جنت کا وارث بنایا جائے گا اور دنیا میں

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
سما گیا جو تیرے دل میں لاشریک لہ (اقبال مرحوم)

یہ خدائی آواز ہے جو بحر و بر میں دشت و جبل میں، غرضیکہ ارض و سما کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں ابتدائے آفرینش سے گونج رہی ہے۔ الا تعبدوا الا ایاہ۔ لیکن اب قرآن مجید کھولئے اور بار بار ملاحظہ فرمائیے کہ اس مبارک پیغام خداوندی کا ایک حصہ ابھی باقی ہے۔ گویا اسی ایک ہی سانس میں۔ اُسی شہنشاہی لہجہ میں وبالوالدین احسانا کا حکم گونج رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اے انسانو! جس طرح تم میرے خالق ہونے کا انکار نہیں کر سکتے۔ والدین کے مربی و محسن ہونے سے انکار بھی محال ہے۔ لہٰذا اُن کے ساتھ نہایت مخلصانہ طریقے سے نیکی کرو۔ تمہاری گریہ زاری، تمہارے سجدے، تمہارے رکوع تمہاری مالی و جانی قربانیاں محض میری رضا کے لئے ہوں۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری عقیدتمندانہ خدمت۔ تمہاری خوش خلقی، نرم کلامی، تواضع، تمہارے تحفے تمہاری دلجوئیاں اور تمہارے ادب و نیاز سب والدین کی خاطر ہوں۔ ہاں ہاں والدین کے ساتھ تمہارا تعلق لفظ "احساناً" کی تمام خوبیاں اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہو۔

حضرت آمنہؓ کے لال فخر دو عالم کے سامنے ایک صحابیؓ نے آکر عرض کیا۔ من ابر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قال امک۔ قلت ثم من قال امک قلت ثم من قال امک۔ قلت ثم من قال ابوک فالاقرب فالاقرب۔ اندازہ کیجئے معاشرے میں والدہ کا مقام کتنا رفیع ہے۔ اس صحابیؓ کی قسمت پر رشک فرمائیے کہ سید الکونینؐ کے حضور میں عرض پرداز ہے۔ یا رسول اللہ! وبالوالدین احسانا میں احسان کا اولین مستحق کون ہے؟ فرمایا تمہاری والدہ۔ دوسری دفعہ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ۔ میں اپنے خادمانہ آداب اور خاکسارانہ تسلیمات کس کے لئے وقف کروں؟ فرمایا اپنی والدہ کے لئے۔ اب تیسری دفعہ پھر عرض پرداز ہوا:۔ اے پیغمبر خداؐ ارشاد فرمائیے کہ میری شام و سحر غلامانہ خدمتگذاریاں کس کے قدموں پہ نچھاور ہوں؟ تو اب تیسری بار حضورؐ پُر نور نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا کہ تمہاری والدہ ہی ان ساری اطاعت گزاریوں کی مستحق ہے۔ آخر چوتھی دفعہ فرطِ عقیدت سے جھوم کر اور نشۂ ہدایت میں مخمور ہو کر صحابیؓ نے وہی سوال پیش کیا تو ہادیٔ دوراں اور مزکیٔ جن و انس نے زبانِ گہربار سے ارشاد فرمایا۔ کہ ابوک۔ محققانہ نگاہوں کے لئے مندرجہ بالا ارشادات گرامی دراصل ماں باپ کی محنتوں اور جانفشانیوں کی قرآنی تقسیم ہے جو جوامع الکلم، ربّ العرب والعجم نے اجمالاً فرما دی۔ حملتہ امہ (سورۂ لقمان) پہلا مقام عطا ہوا اور اس میں باپ کی قطعاً شرکت نہیں۔ وھناً پر دوسرا مخصوص منصب جلیلہ تفویض کیا گیا۔ اور اس میں بھی باپ کی محنتوں کا کوئی حصہ نہیں اور اب تیسری بار بھی علیٰ وھنٍ کہہ کر والدہ ہی کی جانکاہیوں کا اعتراف کیا کیونکہ یہاں بھی صرف محسنۂ کائنات ہی تو تمہارا دردِ زہ کی مرگ آشنا گھڑیوں میں مبتلا ہے۔ آخر بار بچے کی پرورش اور تربیت کی اسٹیج stage آئی تو باپ بھی محسنانہ رنگ میں اپنی اہلیہ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی۔ اولاد کی تعلیم و تربیت پر بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے چوتھی دفعہ ابوک کا لفظ فرمایا۔ اور بعد ازاں فالاقرب فالاقرب کے ارشاد نے صلہ رحمی کے نورانی پیغام کی تکمیل کر دی اب والدین کے رشتہ داروں کے ساتھ بلکہ اُن کے دیگر اُستادوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید فرما دی۔

(باقی باقی)

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد ۱ | یوم جمعہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ - ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء | ۵۲

الوداع ماہ رمضان

خدائے ذوالجلال اور رحمۃ للعالمین کے نزدیک سب سے زیادہ رحمتوں کا حامل اور سب سے زیادہ برکتوں پر مشتمل مہینہ رمضان المبارک اختتام پذیر ہے۔ اس کا ہمارے ہاں قیام مہمان کی طرح تھا۔ جو خاص مدت کے بعد خود بخود چلا جاتا ہے۔ اس کے فیوض و برکات کی تفاصیل آپ اس جریدہ کی گذشتہ اشاعتوں میں پڑھ چکے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس مہمان قدسی کی ہم نے کیا تواضع کی۔ اس کے دوران قیام میں ہم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اب جبکہ یہ مقدس مہینہ ہم سے وداع ہو رہا ہے۔ ہم اسے کیا تحفہ دے رہے ہیں؟ اور اپنے مقام حقیقی پر ماہ صیام ہمیں کن خیالات سے یاد کرے گا؟

ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا ہے۔ ہم نے ماہ رمضان کے پہلے شمارے میں حکومت اور عامۃ المسلمین تک یہ آواز پہنچائی تھی کہ روزہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک مسلمان پر بہت بڑا فرض ہے۔ مقیم اور تندرست کلمہ گو کے لئے ترک روزہ کا کوئی عذر نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم نے یہ گذارش بھی کی تھی، کہ جو لوگ کسی شرعی عذر کے باعث روزہ کا التزام نہ کر سکیں۔ وہ احترام روزہ کو کسی صورت نہ جانے دیں۔ لیکن کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہماری اکثریت نے نہ روزہ کو فرض سمجھا نہ احترام کو واجب جانا۔ سب سے پہلے حکومت ملزم ہے۔ جس کی پیشانی پر فانی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کے باعث تو شکن پڑ جاتی ہیں۔ لیکن احکم الحاکمین اور لافانی خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑنے پر ان کے محیطۂ اختیار میں ذرا سا ارتعاش تک پیدا نہ ہو۔ حکومت نے چند روز پیشتر قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کیا تھا۔ لیکن پہلے ہی رمضان میں بدعہدی کی مثال قائم کر دی گئی ہے۔ بحیثیت اسلامی حکومت کے عموماً اور اس عہد کے بعد بالخصوص حکومت کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں سے مذہبی احکام و فرائض کی پابندی کرائے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو ہمارے نزدیک اس کا یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔

دوسری جانب مسلمان کو بھی اس کی حاجت نہیں کہ کوئی عقاید اور فرائض و واجبات کی یاد دہانی کرائے۔ ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کو ماننا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ روزہ کی ہمارے دل میں قطعاً کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔ روزہ رکھنا تو در کنار ماہ رمضان کا ہم سے احترام بھی نہ ہو سکا۔ سڑکوں اور شاہراہوں پہ۔ گلیوں اور بازاروں میں دکاندار اور خوانچہ فروش کھلے بندوں کھانے پینے کی اشیاء بیچتے رہے اور لوگ دن دہاڑے کھاتے رہے۔ روزہ کی بے حرمتی اور روزہ داروں کی دل آزاری ہوتی رہی۔

قیام اللیل کے وقت ہم معصیت آلود چہل قدمی کرتے رہے۔ مؤذن کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے ہم ریڈیو پر گانے سننے اور خوش گپیوں میں مصروف رہے

ماہ رمضان ہمیں کیا صلہ دے گا؟ ہم نے اس کے ساتھ کیا انصاف کیا۔ ہماری کتنی دولت اس کے لئے خرچ ہوئی اگر اسے پناہ ملی تو عسرت کدوں میں غمزدوں کی جھونپڑیوں میں۔ اور محنت کش گھرانوں میں جہاں روزے بھی رکھے گئے اور احترام بھی کیا گیا۔ بہرحال ہماری اکثریت اس ماہ کی نعمتوں سے تہی دست ہی رہی۔

ہم شرمسار ہیں کہ اسے کن الفاظ میں الوداع کہیں۔ کونسا منہ لے کر اس کے سامنے جائیں۔ اللہ ہمیں معاف کر دے۔ ہم تیرے اس مبارک مہینہ کی بے حرمتی کے گنہگار ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم اس کی قدر کرتے۔ اور ان مواقع کو جو تو نے ہمیں بخشے تیری رضا کے مطابق صرف کرتے۔ لیکن ہم نے اپنی سیاہ بختیوں میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ اے اللہ تو ہمیں بخش دے۔ اور ہمیں اور ہماری حکومت کو اپنے دین کی اقامت کا عہد

عید مبارک

آج ۲۹ رمضان المبارک ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس بابرکت مہینہ کا آخری دن ہو اور کل عید ہو جائے۔ اگر تیس روزے ہو گئے تو عید کل کی بجائے پرسوں ہو جائے گی۔

عید کی خوشی ثمرہ ہے اس مبارک مہینہ کے دن اور رات کو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق گذارنے کا۔ اس لئے عید کی حقیقی خوشی تو انہیں حضرات کو ہو سکتی ہے جنہوں نے دن کو پوری طرح روزہ رکھا اور رات کو صحیح معنوں میں قیام کیا۔ اس قسم کے حضرات کی تعداد قلیل اقل ہے۔ ہم ان کی خدمت میں اس مبارک موقعہ پہ ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ سال ہم کو اور قارئین کرام کو ان کے نقش قدم پر چل کر رمضان المبارک کو گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین

ان حضرات کے بعد عامۃ المسلمین آتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی بشری کمزوریوں اور بے شمار موانع کے باوجود دن کو روزے رکھے اور رات کو نماز تراویح ادا کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی فرو گذاشتوں کو معاف فرمائے۔ اور (باقی بر صفحہ ۲۷)

قرآنی تعلیمات اور انسانیت کا رخ زیبا

انسانیت کاملہ کا مکمل نمونہ ۔ جماعتی فرائض اور انفرادی زندگی کے مشاغل

(از حضرت مولانا محمد میاں صاحب دہلی)

مذہبی حلقوں میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ہم نے حضرت موصوف سے قرآن نمبر کے لئے مضمون کیلئے درخواست کی تو آپ نے وعدہ فرمالیا۔ اور ایفائے عہد کے طور پر یہ مضمون ارسال فرمایا لیکن چونکہ وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اس لئے "قرآن نمبر" میں شائع نہ ہو سکا۔ اب ہم اسے عید نمبر میں شائع کر رہے ہیں (مدیر)

فلاسفہ یونان نے انسان کو حیوان ناطق قرار دیا ہے یعنی ایسا جاندار جس میں ادراک کی طاقت بھی ودیعت کر دی گئی ہے۔ مگر قرآن حکیم نے اس کا رتبہ اتنا بلند کیا کہ اس کو دست قدرت کی خاص مخلوق قرار دیا۔ جو خلعت خلافت الہیہ ودیعہ۔ اور تاج مسجودیت ملائکہ بر سر ہے۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

وہ انسانیت جو تعلیمات قرآن کے پیش نظر ہے کیا ہے؟ جب وہ نمودار ہو تو اس کے رخ انور کے خد و خال کیا ہوں گے۔ جماعتی زندگی میں اس کی شان کیا ہوگی۔ اور انفرادی زندگی کے خلوت کدے اس سے کس طرح آراستہ ہوں گے۔ اپنوں کے ساتھ اس کا لطف و کرم کیا ہوگا۔ غیروں کے لئے اس کے دامن میں گنجائش کہاں تک ہوگی۔

کیا وہ دنیا سے کنارہ کش اور دنیا والوں سے بیگانہ یکسو ہوگی۔ یا ساری انسانی صورتوں کو ایک ہی باغ کے پودے۔ اور ایک ہی چمن کے گلہا رنگ برنگ تصور کرے گی۔ اور ان کی سرسبزی اور شادابی کے لئے اس کے پاس نیک تمناؤں کا وہی سرمایہ۔ ان کی ترقی اور بہبودی کے لئے وہی سوز و گداز اور ہمدردی اور غمخواری کا وہی اضطراب ہوگا جو دل باغبان کا جوہر حیات اور اس کی انتھک کاوشوں کا جذبہ مشتعل ہوا کرتا ہے۔ وہ انسانیت جس کی مسیحائی قرآن حکیم کر رہا ہے کس طرح گلہائے رنگا رنگ کو رونق گلشن بنائیگی کانٹوں کے لئے اس کے پاس صرف قطع برید کا خنجر ہی ہوگا یا اس گنجینہ گلشن میں کوئی نسخہ ایسا بھی ہوگا جس سے نہ صرف پیوں کی مہک۔ پھولوں کی تازگی اور پھلوں میں بھی شیرینی پیدا کر سکے۔

یہ چند عنوانات ہیں۔ پیش نظر صفحات میں ان کی کسی قدر تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ واللہ الموافق۔

قرآنی نصب العین کی کامیابی اور تعمیر انسانیت کا مکمل نمونہ

یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ انسانیت کی وہ تعمیر جو قرآنی تعلیمات کا مطمع نظر اور نصب العین ہے اس کا کامل نمونہ پہلے ہی دوربین چشم گیتی کے سامنے آچکا ہے۔ اور تاریخ عالم پہلی ہی قرن میں منتہائے نظر کی جیتی جاگتی تصویر کا مشاہدہ کر چکی ہے۔

یعنی یہ نصب العین خواہ کتنا ہی بلند معلوم ہو۔ اور طائر عقل کی پرواز اس کے سر بفلک کنگروں تک پہنچنے سے خواہ کتنی ہی قاصر اور درماندہ نظر آئے۔ مگر تاریخ کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ یہ محض خیالی اور آئیڈیل نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے جو اپنی مکمل تابانیوں کے ساتھ جلوہ ریز ہو چکی ہے۔ اور دنیا کو اپنے وجود کا مشاہد بنا چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم انسانیت کاملہ کے وظیفہ عمل اور اس کے خصائل کو آرزو اور تمنا کے انداز میں پیش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک زندہ۔ اور کارفرما۔ جماعت کا کردار پیش کر کے دوسروں کو اس نمونہ پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والآصال رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار (سورہ نور ع ۵)	وہ وہ مکانات جن کے لئے اللہ کی مرضی یہ ہے کہ ان کا مرتبہ بلند ہو اور ان میں ذکر کیا جاتا ہے ان مکانات میں ایسے لوگ ہیں جو اوقات سحر اور اوقات شام میں اللہ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارتی کاروبار۔ آمد مال

کی فروخت (جو ایک تاجر کے لئے سب کچھ بھلا دینے والی بات ہے) اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی نہ یہ مشغولیت انکو اقامت نماز کی اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہے۔ وہ اس دن سے خوفزدہ رہتے ہیں جس میں دل پلٹ جائیں گے اور آنکھیں بدل جائیں گی۔

یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم (سورہ مائدہ ع ۸)	اللہ کے راستہ میں اپنی سرگرمیاں آخری حد تک صرف کرتے ہیں۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ مطلق نہیں کرتے۔
تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا وطمعا ومما رزقناھم ینفقون (سورہ سجدہ رکوع ۲ پارہ ۲۱)	(رات کو نرم بستروں پر آرام کرنے کے بجائے) ان کے پہلو بستروں سے ناآشنا رہتے ہیں۔ وہ قہر و غضب سے ڈر کر رحمت و مغفرت کی طمع میں اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اور اس میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔
یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (سورہ دھر)	(ایسی حالت میں کہ وہ خود ضرورتمند ہوتے ہیں اور) کھانا ان کو محبوب ہوتا ہے وہ مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان کا عزم و قول یہ ہوتا ہے کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے کسی عوض کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ تمہارے شکر کے خواہاں ہیں۔
یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ (سورہ حشر)	دوسرے ضرورتمندوں کو اپنے آپ سے مقدم رکھتے ہیں، باوجودیکہ وہ خود شدید قسم کے ضرورتمند ہوتے ہیں

یہ بزرگ جن کے اوصاف و خصائل کی ترجمانی قرآن حکیم میں کی گئی ہے صحابہ کرام ہیں۔ ان کے دور کو دور صحابہ کہا جاتا ہے۔ اس دور کا وہ حصہ جس کی سربراہی حضرت اقدس سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس فرما رہے تھے اس دور صحابہ کا قرن اول ہے۔

اس جماعت کو قرآن حکیم نے امۃ وسطا سے تعبیر کیا ہے یعنی ایسی جماعت جو ہر لحاظ سے صحیح توازن اور مکمل اعتدال رکھتی ہے۔ افراط و تفریط یا کج اندلی

(باقی ۱۱ پر)

از جناب پروفیسر آغا محمد صادق صاحب
گورنمنٹ کالج کوئٹہ (بلوچستان)

نعت

خوشا یہ جذبِ محبت کی ناز فرمائی! کہاں سے چشمِ تصور مجھے کہاں لائی

ملا ضرور ملا ثمرۂ جبیں سائی ضیا قمر نے ستاروں نے روشنی پائی

مرے کلام پہ شاہد ہے آیۂ لولاک ترا وجود ہے عالم کی علتِ غائی

الوہیت میں نہیں جسطرح خدا کا شریک اُسی طرح ہے رسالت میں تیری یکتائی

ابھی سمجھتے سمجھتے زمانہ سمجھے گا! بہت دقیق ہے تیرے سخن کی گہرائی

تری صفات کا آئینہ جب سے دیکھا ہے نکھر گئی ہے رُخ زندگی کی رعنائی

نگاہ چاہئے تیرے جمال کی محرم ابھی کسے ہے ترے حسن سے شناسائی

کیا وہ کام کہ دُنیا کا بن گیا دستور کہی وہ بات کہ ارض و سما نے دُہرائی

زمانہ کل نہیں مانا تو آج مانے گا ترے نظام سے ہے زندگی کی زیبائی

مقام اس قدر اُونچا ہے فقرِ فخری کا کہ ٹھوکروں میں رہی قیصری و دارائی

ترے پیام کی تعبیرِ نو کا صدقہ ہے کہ لے رہا ہے زمانہ پھر ایک انگڑائی

غرض یہ ہے ترے نقشِ قدم تک آ پہنچیں اسی لئے ہے وہ عالم کی جادہ پیمائی

طوافِ در سے ترے سیر ہو سکی نہ نظر یہ بیقرار گئی اور بے قرار آئی

صبا کے دم سے یہ معراج دیکھنا میری مرا غبار ترے آستاں پہ لے آئی

مری مُراد و مرا مدعا مرا مقصد رہِ حجاز میں سو بار آبلہ پائی

ملا جو اُن کے حضور اذنِ گفتگو صادق

تو ہر نگاہ میں اک التجا سمٹ آئی!

برکاتِ رمضان

از ــــــــــ حاجی کمال الدین مدنی کاربوروش

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو خدام الدین ۲۷ اپریل ۱۹۵۶ء)

ساتویں حدیث

عبداللہ بن حارثؓ ایک صحابیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ سحری نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ ایک برکت کی چیز ہے، جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے۔ اس کو مت چھوڑنا، حضورؐ نے متعدد روایات میں سحور کی ترغیب فرمائی ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے کہ اور کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارہ ہی کھا لے، یا ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لئے روزہ داروں کو اہم خرما و ہم ثواب کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیئے کہ اپنی راحت اور اپنا نفع اور مفت کا ثواب مگر اتنا ضروری ہے کہ افراط و تفریط ہر چیز میں مضر ہے۔ اس لئے نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادت میں ضعف محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔

حافظ ابن حجرؒ بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ سحری کی برکات مختلف وجوہ سے ہیں۔ اتباعِ سنت، اہلِ کتاب کی مخالفت کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم لوگ حتی الوسع اُن کی مخالفت کے مامور ہیں۔ نیز عبادت پر قوت عبادت میں دلبستگی کی زیادتی۔ نیز شدت بھوک سے اکثر بدخلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مدافعت اس وقت کوئی ضرورت مند سائل آجائے تو اُس کی اعانت، کوئی محتاج یا غریب فقیر ہو اُس کی مدد۔ یہ وقت خصوصیت سے قبولیت دعا کا ہے سحری کی بدولت دعا کی توفیق ہو جاتی ہے اور نیز اس وقت میں ذکر کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ خدا مجھ اور آپ سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

آٹھویں حدیث

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ کے ثمرات میں سوائے بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کو جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

اس حدیث کی شرح میں علماء کے چند اقوال ہیں۔

اوّل یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مال حرام سے افطار کرتا ہے کہ جتنا ثواب روزے کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہو گیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا کچھ نہ ملا۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے لیکن غیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ تیسرا قول یہ کہ روزے کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔

حضورؐ کے ارشادات جامع ہوتے ہیں۔ یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بے کار ہو گیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا اور شہرت کے لئے جاگا تو وہ بے کار ہو گیا۔

نویں حدیث

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے۔ جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح روزے سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ اس زمانے میں روزہ کاٹنے کا مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے۔ کہ واہی تباہی اور بیری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں۔ جیسے کہ کھانا پینا۔ وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں۔ مگر روزہ کی برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ اور بعض روزہ کاٹنے کے لئے تاش اور شطرنج وغیرہ کی بازی کو فخر سمجھتے ہیں۔ یہ سب امور روزے کی برکات کے لئے سم قاتل سے کم نہیں۔

مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے۔ اوّل۔ نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے۔ پھر اجنبی کا تو کیا ذکر۔ اور اسی طرح کسی لہو و لعب وغیرہ ناجائز جگہ نہ پڑے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ایسا نور ایمانی نصیب فرماتے ہیں۔ جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ جل شانہٗ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کر دے۔ دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے۔ جھوٹ، چغل خوری۔ لغو بکواس۔ غیبت۔ بدگوئی۔ بدکلامی اور لڑائی جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

بخاری شریف کی روائت میں ہے۔ کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے۔ اس لئے روزہ دار کو چاہیئے کہ زبان سے کوئی فحش یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر لڑائی جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے بھائی میرا روزہ ہے یعنی دوسرے کی ابتدا کرنے پر بھی اُس سے نہ اُلجھے۔ اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔ اور اگر وہ بے وقوف ناسمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا تو روزہ ہے۔ تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں۔ بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

حضورؐ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی۔ کہ ناقابلِ برداشت بن گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہؓ کرام نے حضورؐ سے دریافت فرمایا تو حضورؐ نے ایک پیالہ اُن کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا۔ دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔ اس حدیث سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ غیبت کرنے کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ یوم جمعۃ الوداع —— ۲۹ رمضان ۱۳۷۵ھ - ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء

جمہوریہ اسلامیہ پاکستان

از جناب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب خطیب جامع شیرانوالہ گیٹ لاہور

برادران اسلام - آج آزاد "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کا یہ پہلا جمعۃ الوداع ہے - جو ۲۹ رمضان المبارک کے دن ادا کرنے کے لئے ہم مسلمان جمع ہوئے ہیں۔

سوال

اس تحریک آزادی کی ابتدا کب سے ہوئی اور کس نے کی؟

جواب

(۱) یہ تحریک آزادی علماء ہند کے ہاتھوں انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ سے شروع ہوئی - اور اس کی سنگ بنیاد رکھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے خاندان کے لوگ اور ان کے شاگرد اور مریدین ہیں -

(۲) اس تحریک میں فرقہ واریت اور مذہبی تنگ دلی کا نام نہ تھا - بلکہ تمام ہندوستان اور اس کے باشندوں کو بدبختی مظالم سے جو کہ تمام ملک کو برباد کر رہے تھے نجات دلانا تھا -

(۳) اس تحریک کا مقصد دنیاوی مفاد - ملک گیری خود غرضی - عہدوں اور منصوبوں کا حاصل کرنا، کسی قوم کو غلام بنانا - ان کی دولت اور ذرائع دولت کو ہتھیانا ہرگز نہ تھا - بلکہ محض خدا کی ہندوستانی عام مخلوق کو یورپین سپید بھیڑیوں اور ان کے حلفا کی لوٹ مار، چیر پھاڑ، تذلیل و توہین وغیرہ سے بچانا تھا - جو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا عظیم ترین مقصد ہے - عدل و انصاف امن و امان، انسانی ہمدردی، غربا پروری، کمزوروں کی امداد اسی مقصد اعلیٰ کے پھل پھول اور شاخیں ہیں

الحاصل دارالحرب بن جانے کے فتویٰ مذکورہ کے بعد اس کے فرائض کی انجام دہی میں غور و خوض شروع ہوا - حضرت شاہ صاحب مرحوم اور ان کے خاندانی حضرات اور تلامذہ اور مریدین با اخلاص میں گفت و شنید، بحث و تحیص ہونی ضروری تھی - اس کے بعد عام مسلمانوں کو ساتھ لینے اور اس فریضہ کی انجام دہی کے عمل میں لانے کی تدبیریں سوچی گئیں - اور ضروری سمجھا گیا - کہ عام مسلمانوں کو فریضہ مذکورہ کی دعوت دی جائے - مگر جب تک مدعوین کے کیرکٹر اور اخلاق و اعمال میں استقامت اور استقلال خدا ترسی اور اخلاص وغیرہ اعلیٰ ترین اخلاق پیدا نہ ہوں تو مقصد حاصل نہیں ہو سکتا - اور اگر بغیر ان کے اقدام کیا گیا - تو بجائے نفع کے ضرر کا سخت اندیشہ ہے - اس لئے ملک میں دورہ کرنا، ہر جگہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و تفہیم سے لوگوں کے عقائد و اخلاق و اعمال کو درست کرنا اور ان سے عہد و میثاق لینا کہ وہ اللہ تعالےٰ اور رسول علیہ السلام کی سچی اور پکی تابعداری کریں گے - چوری - زنا - ناحق قتل کرنا - لوگوں پر بہتان باندھنا وغیرہ تمام بڑے بڑے گناہوں سے دور رہیں گے - ضروری سمجھا گیا اور اس کام کے لئے حضرت سید احمد صاحب بریلوی مرید و خلیفہ خاص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب: اور ان کے بھتیجے شاہ محمد اسمٰعیل صاحب اور داماد و بھتیجے مولانا عبدالحی صاحب مرحومین کو منتخب کیا گیا - اوّل الذکر کو سب کا سردار اور ہر دو بزرگوں کو جو کہ بحکم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سید صاحب کے مرید بھی ہو گئے تھے - ان کا دست و بازو بنا دیا گیا - (منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۶-۱۷)

یہ تحریک آزادی ہند ۱۸۰۶ء یا ۱۸۰۳ء سے شروع ہوئی - اور ۱۹۴۷ء کی آزادی ہند تک باقی رہی - اس کی جنگی کارروائی صوبہ سرحد میں ۱۸۲۶ء میں شروع ہوتی ہے - باقی بیس برس گزشتہ زمین تیار کرنے اور تمام لوازمات کے پورے کرنے میں خرچ ہوتے ہیں - چھ برس متواتر جنگ رہنے اور بکثرت فتحمند ہونے اور اپنوں کی غداریوں کی بنا پر جبکہ ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور بہت سے مجاہدین شہید ہو جاتے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں میں سے بہت سے حضرات اپنے اپنے اوطان کو واپس آ جاتے ہیں تب بھی ایک جماعت مسلمان مجاہدین کی وہاں باقی رہتی ہے اور اپنی تمام جد و جہد کی کارروائیوں کو سرگرمی کے ساتھ عمل میں لاتی رہتی ہے - وہ مایوس نہیں ہوتی - اس پر نامردی اور نامرادی کا اندھیرا مؤثر نہیں ہوتا - اس کی جماعت ہزاروں سے بڑھتے بڑھتے بعض اوقات میں لاکھ تک پہنچ جاتی ہے - عام مسلمانان ہند میں بھی مذہب اور جوش آزادی اور جہاد کا اس قدر زوروں پر قائم اور مؤثر ہے - کہ زر گروٹ مہیا کرتے ہیں - مالی امداد نہایت مخفی طریقوں پر سالہا سال سے جاری کئے ہوتے ہیں - گورنمنٹ برطانیہ انتہائی سختی سے اس سب کو اپنی ہمہ گیر قوت سے دبانا چاہتی ہے - مگر باوجود شدید مظالم اور زمانہ کی درازی کے کامیاب نہیں ہوتی ہے - (منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۳۲-۳۳)

جہاد حریت ۱۸۵۷ء

اب ہم ۱۸۵۷ء کی جدو جہد آزادی کے متعلق کچھ عرض کریں گے - مگر چونکہ اس بارہ میں بہت سی تحریرات مختصر اور طویل لکھی جا چکی ہیں - اس لئے ہم غیر ضروری تفصیلات اور غیر مناسب واقعات کو درج کر کے ناظرین کے اوقات ضائع نہ کریں گے - اگرچہ انگریزوں کے خوف سے اس زمانہ میں بلکہ بعد تک پورے اور صحیح واقعات کا لکھنا اور شائع کرنا ممکن نہ تھا - اسلئے عام طور پر لوگوں کے علم میں سب واقعات نہیں آئے ہاں اس زمانہ کے موجودہ لوگوں سے روایتیں پہنچی جن کو علم میں نہیں آیا - انگریزوں نے اپنی وحشیانہ درندگیوں کو چھپانے اور اہل ہند (ہندو اور مسلمانوں) کو شیطان اور وحشی وغیرہ ثابت کرنے کے لئے سب سے زیادہ تصانیف کیں - مگر سب کی سب تقریباً جھوٹے اتہامات سے پُر اور حقیقت سے خالی ہیں - صرف ایڈورڈ ٹامسن کی تصنیف انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رُخ کسی قدر بلکہ بڑے درجہ تک قابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے جہاں تک واقعات اور احوال خبر دیتے ہیں - وہ یہ ہے - ایک طرف تو انگریز اپنی کامیابیوں اور بڑھتی ہوئی قوت کے نشہ میں اس قدر چور اور بدمست ہو گئے تھے - کہ نہ کسی عہدنامے کا خیال رہا تھا نہ کسی راجہ مہاراجہ، نواب، بادشاہ کو خیال میں لاتے تھے - تمام ہندوستانیوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان انتہائی ذلّت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بات بات پر تحقیر و توہین سے بھرے ہوئے کلمات اور اعمال استعمال کرتے تھے - جیسا کہ وارن ہیسٹنگز کا مقالہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں - "انگریز ہندوستان میں آکر ایک نیا انسان بن جاتا ہے - جن جرائم کو وہ انگلستان میں خیال میں بھی نہ لا سکتا تھا ان کے کرنے کے لئے یہاں صرف اپنا انگریز ہونا کافی سمجھتا ہے - اللہ ٹائمس ڈ سنسم بھی اسی کے قریب قریب لکھتا ہے -

الغرض جس قدر بھی زمانہ آگے بڑھتا جاتا تھا - انگریزی عہد شکنیاں اور نئے نئے مظالم طرح طرح کے روپ میں ظاہر ہوتے جاتے تھے - دوسری طرف ہندوستانیوں کی ہر قسم کی زندگی روز بروز ایسی فلاکتوں اور مصیبتوں کے گڑھوں میں گرتی چلی جاتی تھی - کہ جس کا پہلے لوگوں کو وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا - ریاستیں خلاف معاہدہ ضبط ہو رہی تھیں - اور ان کو اپنے خالص علاقہ میں شامل کر لیا جاتا تھا - گدی نشین کو طرح طرح کے حیلوں سے برطرف اور محروم کر دیا جاتا تھا - معمولی معمولی حیلوں بلکہ غلط اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے جن کے یورپین لوگ عموماً اور انگریز قوم خصوصاً عادی ہیں والیان ریاست پر حملہ یا ان کی معزولی عمل میں آتی رہتی تھی وغیرہ - وغیرہ -

حسب قول مشہور "تنگ آمد بجنگ آمد" مجبور ہو کر آزادی کے لیے کوشش کرنا ضروری سمجھا گیا۔ نیز وہ لوگ جو کہ سید صاحب کی تحریک میں داخل ہو کر سرحد پر پہنچے تھے۔ اور وہاں کی لڑائیوں اور جہادی کارروائیوں میں شریک رہے تھے۔ اور بالاکوٹ میں سید صاحب کے شہید ہو جانے کے بعد اپنے اوطان کو واپس آ گئے تھے۔ اور وہ لوگ جو کہ حضرت سید صاحب کے مرید اور ان کی تحریک میں کسی درجہ تک شریک تھے۔ ان لوگوں کے قلوب ہمیشہ آزادی کی تڑپ سے بے چین رہتے تھے۔ اس لئے تمام ہندوستانیوں نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً اس انقلاب ۱۸۵۷ء کو ضروری سمجھا۔ اور مقرر کیا گیا کہ ۱۱ مئی کو تمام ہندوستان میں انقلابی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اور علم جہاد بلند کیا جائے۔ (منقول از نقش حیات حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی صفحہ ۳۹-۴۰ جلد دوم۔

ہمارے اکابر کا ۱۸۵۷ء کی تحریک میں حصہ لینا

ہمارے تمام اکابر (علماء دیوبند و سہارنپور و مظفرنگر) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے تلامذہ کے شاگرد اور خوشہ چین رہے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے مسلک اور علم کے خلاف چلیں۔ چنانچہ جب سید صاحب کی تحریک جہاد شروع ہوئی۔ تو حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی (دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی) اور حضرت شاہ نصیرالدین صاحب دہلوی (سابق پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب) اور بہت سے حضرات (اطراف سہارنپور مظفر نگر وغیرہ کے) شریک تحریک ہوئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ سرحد میں جا کر شہید ہوئے۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اعلیٰ جذبات حریت و جہاد اور ان کی تعلیمات روحانیہ سے ان حضرات کو انتہائی شغف اور حسن اعتقاد رہتا تھا۔ سرحد کی ناکامی اور آپس کی غداریوں سے ان حضرات کے قلب میں انتہائی قلق اور اضطراب ہمیشہ محسوس ہوتا رہتا تھا جب

انقلاب

۱۸۵۷ء کی تحریک اطراف و جوانب ہند خصوصاً اطراف دہلی میں چلنی شروع ہوئی۔ تو ان حضرات کے جوش حریت میں نئی حرکت پیدا ہوئی۔ ان بزرگوں نے محسوس کیا۔ کہ اس انقلاب میں حصہ لینا فرض اور لازم ہے۔ انگریزوں کے افعال ماضیہ اور احوال حاضرہ پر بخوبی مطلع تھے۔ اس تمام جماعت میں حضرت حافظ ضامن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز زیادہ پیش پیش تھے۔ (حضرت حافظ صاحب قطب العالم میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین اور اعلیٰ ترین خلفاء میں سے تھے۔ نسبت روحانیہ نہایت قوی اور بے مثل پائی تھی۔ میانجی صاحب مرحوم کی وفات کے وقت تک حضرت حاجی امداد صاحب کی تکمیل کیلئے سلوک تصوف پوری نہیں ہوئی تھی تو میانجی صاحب نے حضرت حاجی صاحب کی تکمیل کیلئے حافظ ضامن صاحب ہی کے سپرد کیا تھا) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک انقلاب میں حافظ صاحب کے ہمنوا تو ضرور تھے مگر پیش پیش اور اس قدر زیادہ جوش میں نہ تھے۔ اسی قصبہ تھانہ بھون میں میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے خلیفہ مولانا شیخ محمد صاحب رہتے تھے۔ چونکہ تینوں حضرات پیر بھائی اور ایک ہی مقدس ہستی میانجی صاحب کے دریوزہ گر تھے۔ اس لئے آپس میں میل جول اتحاد و اتفاق بڑے پیمانہ پر رہتا تھا۔ مگر مولانا شیخ محمد صاحب علوم عربیہ کے باقاعدہ فاضل تھے۔ علماء دہلی سے تمام نصاب علم ظاہر پڑھ چکے تھے۔ بخلاف حضرت حافظ صاحب اور حاجی صاحب کے کہ دونوں حضرات نے علوم عربیہ کی تکمیل نہیں کی تھی۔ اگرچہ نسبت باطنیہ میں بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اس بناء پر مسائل شرعیہ میں ہر دو حضرات مولانا شیخ محمد صاحب ہی کا اتباع کرتے تھے۔ بدقسمتی سے مولانا کی رائے یہ تھی۔ کہ انگریزوں کے ساتھ جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز ہی نہیں۔ اس اختلاف اور فتویٰ کی بنا پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو ان کے اوطان سے دونوں حضرات نے بلوایا۔ یہ دونوں حضرات اس سے بہت پہلے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی اور حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب اور دیگر اساتذہ دہلی سے سند فراغ علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کر چکے تھے۔ اور اپنی ذکاوت اور مہارت میں بڑی شہرت حاصل کر کے سلوک و طریقت کی منازل بھی طے کر چکے تھے۔ جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما) پہنچ گئے۔ تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے۔ اس لئے ہمیشہ ان کا ادب کیا جاتا تھا۔ کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا:۔

کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سرو سامان ہیں۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ کہ کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے۔ جتنا کہ غزوۂ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن نے فرمایا۔ کہ مولانا بس سمجھ میں آ گیا۔ اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔ اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ میسرہ (دائیں اور بائیں) کا افسر قرار دیا گیا۔ چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقویٰ علم (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا۔ ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے۔ اس لئے ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام مسلمان بھی بے حد معتقد تھے۔ اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہ تھی۔ عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے۔ جس کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے۔ مگر یہ ہتھیار پرانے قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں۔ کارتوس اور رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے اور تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے گئے۔

خبر آئی۔ کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گذرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی۔ کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار بندوق توڑے والی اور برچھے وغیرہ تھے۔ مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ فکر مت کرو۔

بہت اچھا کہہ کر ساتھ ساتھ ہو لئے۔ اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیکرٹری شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا۔ اور اس درجہ مطمئن پاکر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰ حضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا۔ اور یہ کہہ کہ "اس کوٹھڑی میں کیا گھاس بھری جاتی ہے" اس کے پٹ کھولدئے راؤ عبداللہ خاں کی اس وقت جو حالت ہوئی ہوگی۔ وہ انہیں کے دل سے پوچھا چاہئے۔ سمجھتے تھے۔ کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا۔ اور پیمانہ حیات لبریز ہوکر اچھلا چاہتا ہے۔ اس لئے راضی برضا الٰہی ہوکر جی ہار بیٹھا۔ اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔ خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے۔ تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا۔ لوٹا رکھا ہوا۔ اور نیچے وضو کا پانی البتہ بھرا ہوا پڑا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں کچھ عجیب سماں تھا۔ کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار۔ کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا۔ اور کہا کہ خاں صاحب یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے۔

راؤ صاحب بولے۔ جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اور وضو میں مونہہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی تیاری تھی۔ افسر نے ہنس کر کہا۔ آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھڑی۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیدیا۔ کہ جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے۔ اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ جواب لاجواب سن کر افسر نے پٹ بند کر دئے۔ اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا۔ "راؤ صاحب معاف کیجئے۔ آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔"

راؤ عبداللہ خاں کی نظر سے وہ شش کے سوار جب اوجھل ہوئے۔ تو واپس ہوئے۔ اور کوٹھڑی کھول دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت سلام پھیر چکے اور مصلیٰ پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

(امداد المشتاق صہ ۲۹-۳۰ از تذکرۃ الرشید صہ ۷۶)

(از نقش حیات صہ ۵۴ تا ۵۶)

اسلام زندہ ہوتا ہے ——— ہر کربلا کے بعد

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی تحریک جہاد ۱۸۵۷ء کے ارشد تلامذہ میں سے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک آزادئ وطن

ہندوستان کو انگریز کے پنجہ سے آزاد کرانے کیلئے علماء کرام کی جدوجہد

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کی نقل

ریشمی خطوط والی سازش۔ اگست ۱۹۱۶ء میں اس سازش کا انکشاف ہوا جو گورنمنٹ کے کاغذات میں ریشمی خطوط کی سازش کہلاتی ہے۔

یہ ایک تجویز تھی۔ جو ہندوستان ہی میں تیار کی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ شمالی مغربی سرحد سے ایک حملہ ہو۔ ادھر ہندوستان کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں۔ اور سلطنت برطانیہ کو تباہ و برباد کردیا جائے اس تجویز پر عمل کرنے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ایک شخص مولوی عبیداللہ نے اپنے تین رفقاء فتح محمد اور محمد علی کو ساتھ لے کر اگست ۱۹۱۵ء میں شمالی مغربی سرحد کو عبور کیا۔ عبیداللہ سکھ سے مسلمان ہوا ہے۔ اور صوبہ جات متحدہ کے ضلع سہارنپور میں مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ دیوبند میں اس نے مولوی کی تعلیم پائی تھی۔ وہاں اس نے اپنے جنگی اور خلاف برطانیہ خیالات سے عملہ مدرسہ کے بعض لوگوں اور کچھ طلبہ کو متاثر کیا۔ اور سب سے بڑا شخص جس نے اس پر اثر ڈالا وہ محمود الحسن تھا۔ جو سکول میں بہت دیر تک ہیڈ مولوی رہ چکا ہے۔ عبیداللہ چاہتا تھا کہ دیوبند کے مشہور مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولویوں کی رفاقت سے تمام ہندوستان بھر میں ایک عام اسلامی جوش اور مسلمانوں میں برطانیہ کے خلاف تحریک پھیلادیں۔ لیکن اس کی تجاویز کے راستہ میں مدرسہ کے مہتمم اور انجمن کے لوگ سد راہ ہوئے انہوں نے اسے اور اس کے چند ساتھیوں کو مدرسہ کی ملازمت سے برخاست کردیا۔ اس امر کا بھی ثبوت مل چکا ہے کہ وہ بعض حالات میں مصیبت میں گرفتار رہا۔ پھر بھی وہ مولانا محمود الحسن کے پاس عام طور پر آتا رہا۔ مولانا کے مکان پر خفیہ جلسے ہوتے رہے اور اس امر کی اطلاع ملی ہے۔ کہ سرحد سے کچھ آدمی بھی وہاں آتے تھے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو محمود الحسن نے بھی ایک شخص محمد میاں اور دوستوں کے ساتھ عبیداللہ کی مثال کی پیروی کی۔ اور شمال کی طرف جانے کے لئے نہیں بلکہ عرب کے صوبہ حجاز میں مقیم ہونے کے لئے ہندوستان چھوڑ دیا۔ روانہ ہونے سے پہلے عبیداللہ نے دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا اور دو ایسی کتابیں معرض اشاعت میں لایا۔ جن میں ہندوستانی مسلمانوں کو جنگی اور مذہبی جوش کی ترغیب دی گئی تھی اور ان کو جہاد کے فرض اولیٰ کے ادا کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس شخص کا اور اس کے دوستوں کا جن میں مولانا محمود الحسن صاحب بھی شامل ہیں عام مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا ایک بہت زبردست حملہ ہندوستان پر ہو۔ اور مسلمانوں کی بغاوت سے اس کو تقویت پہنچے اب ہم ذیل میں ان کوششوں کا ذکر کریں گے جو ان لوگوں نے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیں۔ عبیداللہ اور اس کے دوست پہلے ہندوستانی مجنونان مذہب کے پاس گئے۔ اور اس کے بعد کابل پہنچے۔ وہاں پر ترکی۔ جرمنی کے ممبروں سے ملے اور ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد ان کا دیوبندی دوست مولوی محمد میاں انصاری بھی آملا۔ یہ آدمی مولانا محمود الحسن صاحب کے ساتھ عرب گیا تھا۔ اور ۱۹۱۶ء میں وہ اعلان جہاد ساتھ لے کر آیا۔ جو حجاز کے ترکی فوجی حاکم "غالب پاشا" نے مولانا محمود الحسن کو دیا تھا۔ اثناء راہ میں "محمد میاں" اس تحریر (جو غالب نامہ سے مشہور ہے) کی نقلیں ہندوستان اور سرحدی قوموں میں تقسیم کرتا ہوا آیا۔

(منقول از جہاد حریت ۱۸۵۷ء کے بعد علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے از صہ ۱۵۱ تا ۱۵۶)

آزادی ہند کے سلسلہ میں اراکین جمعیۃ علماء ہند کی گرفتاریاں

(منقول از علماء حق اور انکے مجاہدانہ کارنامے حصہ دوم)

۲۹-۳۰ ستمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۲۷-۲۸ شعبان ۵۹ھ کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس زیر صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل اعلان مرتب کیا گیا۔

"برطانیہ کی طرف سے اس نازک ترین تاریخی موقع پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا اور بعد از جنگ ہندوستانیوں کی آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے۔ کہ وہ ہندوستان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دینا ہی نہیں چاہتی۔ اور اس صورت میں یہ ظاہر ہے۔ کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضاکارانہ ہرگز نہیں ہے۔ ان کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے یہی

سڑک ایک باغ کے کنارے سے گذرتی تھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو۔ جب میں حکم کروں۔ سب کے سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے سے گذری۔ تو سب نے یکدم فیر کیا۔ پلٹن گھبرا گئی۔ کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرت کی فراست ذکاوت، فنون حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی، اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

(منقول از نقش حیات حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم مدنی ص۱۴ تا ۴۴ جلد دوم)

حاصل

یہ نکلا۔ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی بناء پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لئے علماء کرام نے جہاد کا اعلان کیا۔ تاکہ ہندوستان انگریزوں کے پنجہ سے آزاد ہو جائے۔

جنگی عہدہ دار

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام المجاہدین۔

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سپہ سالار۔ افواج المجاہدین

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قاضی افواج المجاہدین۔

(۴) حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ میسرہ (دائیں اور بائیں) کا افسر قرار دیا گیا۔

جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف دہلی کے علماء کرام کا فتویٰ

علماء میں مولانا احمد شاہ صاحب لیڈر جنگ صاحب مدراسی۔ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی۔ جنہوں نے دہلی میں بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی تھی۔ اور استفتاء پیش کیا تھا مفتی صدر الدین صاحب آزردہ صدر الصدور دہلی۔ مولوی عبد القادر صاحب۔ قاضی فیض اللہ صاحب دہلوی مولانا فیض احمد صاحب بدایونی۔ ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی۔ سید مبارک شاہ رامپوری نے اس پر دستخط کر دئے تھے۔ اور اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی تھی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی (الثورۃ الہندیہ ص۱۵۶ از تاریخ ذکاء اللہ منقول از نقش حیات ص۴۵-۴۶)

تقدیر تدبیر پر غالب آگئی

ہندوستانیوں کو اپنے اعمال سابقہ کی سزا ملنی تھی۔ گذشتہ مصائب پاداش کے لئے احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں کافی نہ تھے۔ اس لئے باوجود اس قدر جان بازیوں کے برٹش شہنشاہیت کو ہندوستانیوں پر اس طرح مسلط کر دیا گیا جس طرح کوڑے لگانے والے بھنگی جلاد کو مجرم پر مسلط کر دیا جاتا تھا۔ جس میں نہ شرافت ہوتی ہے۔ نہ رحم و انسانی ہمدردی۔ ہندوستانیوں کو سپید برطانوی بھیڑیوں کے سامنے سرنگوں کرنا قدرت کی تجویز تھی۔ وہ ہو کر رہی۔ تحریک انقلاب و آزادی ناکام کر دی گئی۔ غلامیت کا طوق پہلے سے ہزاروں درجہ بوجھل کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی گردن میں ڈالا دیا گیا۔ قصبہ تھانہ بھون اور اس کے اطراف و جوانب کے وہ مقامات جن کی شکایت کسی دشمن نے کر دی۔ برباد کر دئے گئے۔

(منقول از نقش حیات جلد دوم ص۴۴-۴۵)

دہلی کی حالت زار

وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی۔ جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے۔ اور پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ دا الپھل کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤلف تبصرۃ التواریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا"

(شاندار ماضی ص۶۹ از افسانہ غم ص۲۸-۲۹ منقول از نقش حیات ص۴۲)

علماء کرام کی استقامت

الحاصل ان (فتویٰ دینے والے) علماء نے آخر وقت تک اپنے فتویٰ کے مطابق عمل کیا۔ جنرل بخت خاں اور اس کی فوج اور مجاہدین نے پوری داد شجاعت دی۔ مگر آپس کے غداروں نے (جن کے سرغنہ مرزا الٰہی بخش اور مرزا مغل شہزادہ تھے) ہر قسم کی ابتری پھیلا دی اور نتیجہ وہی ہوا۔ جو ایسی باتوں کا ہوتا ہے۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور انتہائی سفاکی سے دہلی میں قتل عام جاری کر دیا گیا۔

(منقول از نقش حیات جلد دوم ص۴۲)

امام المجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

تینوں حضرات (حضرت حاجی صاحب۔ مولانا گنگوہی مولانا نانوتوی رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا ہے۔ اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ (انعام) تجویز ہو چکا ہے۔ لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے ہیں۔ اور حضرت حاجی صاحب راؤ عبد اللہ خاں رئیس پنجلاسہ کے اصطبل کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں مقیم ہیں۔ چاشت کی نماز کا وقت ہے (یعنی ۹ یا ۱۰ بجے صبح کا) ایک روز اسی کوٹھڑی میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلی بچھایا اور جان نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں۔ میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبد اللہ خاں اعلیٰ حضرت کے بڑے جاں نثار خادم اور مشہور مرید ہیں۔ گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیٰ حضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے ہوئے حضرت کے لئے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر اس کے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے۔ کہ نہ مال کی پروا تھی۔ نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبد اللہ خاں حضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھڑی سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دوش کو آتے دیکھا۔ اور ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے مخبر کون تھا۔ اور کس بلا کا پتلا تھا۔ جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھڑی تک معین کر دی تھی۔ چنانچہ دوش اصطبل کے پاس پہنچی۔ اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ گویا اپنے آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب وہیں سے تاڑ گئے تھے۔ کہ

"وایں گل دیگر شگفت" مگر

"نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن"

اپنی جان یا عزت کے جانے، ریاست و زمینداری کے ملیا میٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پڑ کر جیلخانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروا نہ تھی۔ اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا۔ تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہو۔ اور عبد اللہ خاں کے گھر میں اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پابہ زنجیر کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبایا۔ اور چہرہ یا اعضاء پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا مسکرا کر جواب دیا۔ اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ دوش کا افسر گھوڑے سے اترا۔ اور یہ کہہ کر میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے۔ اس لئے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا۔ اصطبل کی جانب قدم اٹھاتے راؤ صاحب

اس کا مطمع نظر اور نصب العین ہے۔ نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے۔ نہ فیسزم کو نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے۔ نہ جاپانی پالیسی اور واقعتاً کو وہ اپنے اُوپر خود حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے۔ اور بس۔

لہذا وُہ علی رؤس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی پالیسی جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کی تجویز کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۴۰ء (بنام وائسرائے ہند) میں کر چکے ہیں باوجود ایک سال گزر جانے اور مختلف مدارج و منازل سے گزر چکنے کے بعد آج بھی بدستور قائم ہے۔ اور وُہ یہی ہے۔ کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں شریک ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں پاتی۔

علمائے حق کی گرفتاریاں

جمعیتہ علماء ہند کے محترم اراکین اپنی اس پالیسی کی اشاعت تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے کر رہے تھے۔ مگر افسوس حکومت نے اُن کی پر صداقت صدا کی طرف منصفانہ توجہ دینے کی بجائے جبر و تشدد کے ذریعہ سے اس آوازِ حق کو دبانا چاہا۔ چنانچہ جا بجا "کلمۃ الحق" کو سربلند کرنے والے مجاہد علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ اور اُن پر مقدمات چلائے گئے۔ اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل علمائے کرام کے اسماء گرامی خاص طور قابلِ تذکرہ ہیں:۔

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو سیاسی تدبر علمی تبحر تحریر اور تقریر کی اعلیٰ مہارت میں ممتاز ترین درجہ رکھتے ہیں۔

(۲) سالار اعظم انصار اللہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری

(۳) حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری

(۴) حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل صاحب الہ آباد رکن مجلس عاملہ جمعیتہ علماء ہند

(۵) مولانا الحاج محمد اسمٰعیل صاحب (ایم۔ ایل۔ اے) اُستاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

(۶) مولانا سید اختر اسلام صاحب استاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ وغیرہ۔

علمائے کرام جن کی فہرست کی طوالت اوراق کتاب کی وسعت کے لئے غیر قابلِ برداشت ہے۔

وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان ڈاکٹر خانصاحب کا علمائے کرام کو خراج تحسین کیونکہ آزادیٔ ملک اُن کا بھی حصّہ ہے

نوائے وقت ۱۶ اپریل ۱۹۵۶ء

ایک انٹرویو کے دوران میں آپ نے اخباری نمائندوں کو بتایا۔ کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جو میں عوام سے تعلق رکھنے والے ہر دوسرے مسئلہ کے متعلق ظاہر کرتا رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ عوام کی رائے کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہونی چاہئے۔

پنڈت نہرو نے کہا تھا۔ کہ اگر کشمیر میں استصواب منعقد کرایا گیا۔ تو اس سے یہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر خانصاحب نے اس رائے سے عدم اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے۔ کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل یہی ہے۔ کہ اسے عوام کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا پیدائشی حق رکھتے ہیں۔

جب ان کی توجہ پنڈت نہرو کے بیان کے اس حصے کی طرف مبذول کرائی گئی۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ بھارت کے لیڈر انقلابی ہیں جب کہ پاکستانی لیڈروں پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ تو ڈاکٹر خانصاحب نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ پنڈت نہرو نے یہ بات کہی ہے۔ وہ جدوجہد آزادی میں پاکستانی عوام اور لیڈروں کی قربانیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر خانصاحب نے اپنے آپ کو تحریک آزادی کا ایک ناچیز کارکن قرار دیتے ہوئے کہا۔ کہ خان عبدالغفار خاں اور اُن کے ہزاروں رفقاء کی قربانیوں کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے آزادی کی راہ میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ اور برطانوی سامراج کو پس پائی پر مجبور کر دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور اُن جیسے دوسرے علماء کی خدمات کہاں گئیں جو زندگی بھر غیر ملکی استبداد کیخلاف لڑتے رہے کیا وہ انقلابی نہیں تھے

حاصل

یہ ہے۔ کہ پنڈت نہرو نے مملکت پاکستان کو یہ طعنہ دیا تھا۔ کہ پاکستان کے لیڈر انقلابی نہیں ہیں۔ تو وزیر کبیر مغربی پاکستان ڈاکٹر خانصاحب نے اس کا منہ توڑ جواب علماء کرام کو سامنے رکھ کر دیا۔ کہ کیا یہ علماء کرام انقلابی نہیں تھے۔ جو زندگی بھر ملکی استبداد کے خلاف لڑتے رہے

آزادی ملنے کے بعد اب کیا ہو رہا ہے

از نوائے وقت مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء

بدعنوانی اور رشوت ستانی

ہمارا موجودہ دفتری نظام عبارت ہے اقرباپروری خویش نوازی۔ رشوت ستانی اور جنبہ داری سے اور یہ بدعنوانیاں گھن کی طرح پورے معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ اِن کی مثالیں ہی نہیں۔ بلکہ داستانیں لوک زبان ہیں۔ اور سو میں سے ننانوے اپنے داؤ پر ہیں۔ سفارش رشوت اثر و رسوخ وغیرہ ایسی ناگزیر برائی بن چکی ہیں کہ آج کوئی شخص اپنے کسی جائز کام کے لئے بھی ان میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کئے بغیر حصول مقصد کا تصور نہیں کر سکتا قیام پاکستان کے بعد حب الوطنی خدمت خلق۔ فرض شناسی دیانت اور اس نوع کے دوسرے محاسن کا جو مظاہرہ قوم نے بڑی فراوانی سے کیا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ ناپید ہوتے گئے۔ اور اُن کی جگہ بددیانتی لالچ اور ہوس ناکی نے لے لی۔ کچھ عرصہ تک تو لوگوں کو اس کا احساس ہوتا تھا۔ اور نجی محفلوں میں اس پر بڑے دردناک انداز میں رائے زنی کی جاتی تھی۔ مگر اب یہ متاع بھی ختم ہو گئی۔ احساس زیاں بھی جاتا رہا۔ اور اب معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی ہر شخص کسی جھجک کے بغیر یہ استفسار کرتا ہے۔ کہ یہ کام کیسے پورا ہی ہو سکتا ہے۔ متعلقہ افسر کس کی سفارش مانتا ہے۔ اس کا قریبی عزیز یا دوست کون ہے لوگ نہ صرف ایسی معلومات فراہم کر دیتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی غرض مند پریشان ہو تو اُسے بلا تکلف یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ فلاں کی مٹھی گرم کرو۔ اور پریشانی سے نجات پاؤ

اس سے پہلے رشوت نے وباء کی یہ صورت اختیار نہیں کی تھی۔ ان بدعنوانیوں کی وجوہ کیا ہیں اور ان کے انسداد کی تدابیر کے باوجود ان کی بیخ کنی کیوں نہیں ہو پائی اور یہ زہریلا پودا عشق پیچاں کی بیل کی طرح آخر سارے معاشرے اور نظم و نسق کے گرد کیوں لپٹا ہوا ہے۔ عوام ان برائیوں کے آگے کیوں سپر ڈالتے ہیں۔ اور ان کے فروغ میں حصّہ لینے پر کیوں مجبور ہیں؟ یہ بڑے اہم سوالات ہیں۔ مگر ان کے جواب کچھ مشکل نہیں۔ ان بدعنوانیوں نے ہمارے دفتری نظام اور معاشرے کا جو سرچشمہ گدلا کر رکھا ہے۔ اگر اس کے منبع کا پتہ چلایا جائے۔ تو یہ گندا نالہ اقتدار کی اونچی چوٹی سے نکلتا ہوا دکھائی دے گا۔ الناس علی دین ملوکھم عوام کالانعام ہر معاملہ میں خواص کی تقلید کرتے ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہی کا نمونہ ثابت ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح سرکاری ملازمین بھی اپنے اعلیٰ افسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اعلیٰ افسر اپنی باری میں وزرائے کرام اور سیاسی لیڈروں کے کردار کو اپناتے ہیں۔ بادشاہ اگر کسی باغ میں سے ایک سیب ناجائز طور پر وصول کرے تو اُس کے اہل کار پورا باغ ہی اجاڑ دیں گے۔

بہ نیم بیضہ چوں سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

جمہوریت میں بادشاہ کی جگہ وزیروں اور پبلک لیڈروں نے لے لی ہے۔ سرکاری اہل کاروں کے سامنے مثال انہی کی ہے۔ اگر سرکاری اہل کار کو اس کا علم ہو۔ کہ وزیر بے داغ کیرکٹر کا مالک ہے۔ تو رشوت لینے کا عادی افسر بھی ایسے وزیر کے ماتحت محکمے میں سہم جائے گا۔ اور رشوت لیتے ہوئے ہچکچائیگا۔ لیکن اگر وزیر

خود ہی افسر کو بلا کر کہے۔ کہ فلاں آسامی پر میرے فلاں عزیز کو مقرر کردو۔ یا فلاں ٹھیکہ یا ڈپو وغیرہ میرے فلاں آدمی کو دے دو۔ تو ایسا وزیر صرف اُس افسر ہی کو جس سے وہ یہ ناجائز کام لیتا ہے۔ بددیانتی کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ پورے دفتر کو غلط راستے پر لگانے کا مجرم ہے۔ اور جب ایک محکمہ کے افسروں یا اہلکاروں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارا وزیر کنبہ پروری و دوست نوازی یا رشوت ستانی کو معیوب خیال نہیں کرتا۔ تو وہ بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اُنہیں کھلی چھٹی مل گئی ظاہر ہے کہ جس وزیر کا اپنا دامن پاک نہیں۔ وہ کسی دوسرے افسر کا محاسبہ کس زبان سے کریگا۔

رشوت صرف یہی نہیں۔ کہ کوئی وزیر یا پبلک لیڈر نقد روپیہ وصول کرے کسی وزیر یا پبلک لیڈر کا اپنی پوزیشن اور اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور اپنے کسی غیر مستحق دوست یا عزیز کو اپنے ماتحت محکموں میں سے کسی محکمے کے منصب پر فائز کردینا یا کسی اور محکمے میں اُس کی سفارش کرنا۔ ایسا منصب دلانا جس کا وہ حق دار نہیں۔ ٹھیکوں۔ الاٹمنٹوں۔ اجاروں اور پرمٹوں میں براہ راست اپنا یا کسی عزیز کا حِصّہ رکھنا بھی بدترین قسم کی رشوت اور بددیانتی ہے۔ اس لئے تطہیر کی مہم سب سے پہلے اوپر سے شروع ہونی چاہئیے۔ رشوت کے خلاف وعظ و نصیحت کی کوئی مہم اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوگی۔ جب تک وزیروں اور سیاسی لیڈروں کا اپنا دامن اس قسم کے دھبوں سے پاک نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بھی ایک تلخ تجربہ ہے۔ کہ اگر کوئی سرپھرا اور حد درجہ دیانت دار افسر کسی وزیر یا سیاسی لیڈر کی سفارش قبول نہ کرے۔ تو اُس کے خلاف انتقامی کارروائی کی جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ انسداد رشوت ستانی کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ معمولی کلرک چنگی انسپکٹر سپرنٹنڈنٹ یا پٹواری اور کانسٹیبل ہی پکڑے جاتے ہیں۔ اور اُنہیں سزا ملتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے مگرمچھ صاف بچ جاتے ہیں۔ ان مگرمچھوں میں وزراء پارلیمنٹ کے ممبر اعلیٰ سرکاری افسر اور پبلک لیڈر سب ہی شامل ہیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر ان کی بدعنوانیوں کے افسانے ہوتے ہیں۔ اس سے قبل اگر کسی وزیر کے متعلق یہ شکایات ہوتیں۔ کہ وہ پرمٹوں۔ ڈپوؤں لائسنسوں اور ٹھیکوں میں اپنا حصہ رکھ کر لاکھوں روپیہ کما رہا ہے۔ تو اس کے خلاف پروڈا کے تحت کارروائی بھی اتنی مشکل بنادی جاتی تھی۔ کہ کوئی شخص درخواست کی جراءت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اب جب کہ پروڈا کا بھی خاتمہ ہوچکا ہے۔ آج تک کسی وزیر۔ سیاسی لیڈر یا بڑے افسر کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ حالانکہ قانون کی نگاہ میں نہ صرف چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئیے۔ بلکہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ ہر مجرم کو اُس کے منصب کے مطابق سزا ملنی چاہئیے۔ یاد ہوگا۔ کہ سابقہ پنجاب اسمبلی میں ایک ممبر نے یہ سوال کیا تھا۔ کہ کتنے وزراء کے پاس کتنی الاٹمنٹیں ہیں پرمٹیں ہیں۔ اور مقدمات میں مداخلت کون کرتا ہے۔ لیکن اس سوال کے جواب میں معنی خیز خاموشی اختیار کی گئی۔ اس ضمن میں ہم یہ بھی متنبہ کردیں۔ کہ کچھ لوگوں کو محض عبرتناک سزا دے دینے سے ہی معاشرہ اس گندگی سے چھٹکارا نہیں پائے گا۔ اور یہ بدعنوانیاں اُس وقت تک ختم نہیں ہونگی۔ جب تک انہیں کچلنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ذرائع بھی اختیار نہ کئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ محض انتظامی مسئلہ ہی نہیں۔ اس کا ایک انسانی پہلو بھی ہے۔ سرکاری ملازمین میں رشوت لینے کے رجحان کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ فی زمانہ انسانی اقدار بدل گئی ہیں۔ وہی شخص سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کے پاس اچھا گھر ہو۔ جس کا لباس شاندار ہو۔ جس کی کوٹھی اور کار ہو۔ اور جس کا بنک بیلنس ہو۔ سرکاری ملازم بھی اس رجحان کا شکار ہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگ اب اس سادگی پر مطمئن نہیں جتنے آج سے پچاس یا سو سال قبل تھے۔ پہلے جو اشیاء تعیش کا سامان سمجھی جاتی تھیں۔ اب لوازمہ زندگی ہیں۔ اس طرح رہن سہن کا معیار بڑھ چکا ہے ساتھ ہی اخراجات زندگی بھی بڑھ گئے ہیں۔ پھر تقسیم کے بعد متروکہ جائدادوں کے حصول کے امکانات ہیں عام پبلک کو جس میں سرکاری ملازمین بھی شامل ہیں۔ لالچی بدکردار اور حریص بنا دیا۔ ان کے سامنے بڑوں کی مثال تھی۔ جنہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لینے کی قیمت گھناؤنے طریقوں سے وصول کی۔ عوام نے سوچا۔ کہ جب ہر شخص مالدار بن سکتا ہے۔ تو وہ کیوں نہ بنیں۔

رشوت ستانی کی ایک اور بنیادی اور بڑی وجہ کنٹرول کا بڑھتا ہوا نظام ہے۔ تجارت اور صنعت کا نظام تو بالکلیہ کنٹرول کے تحت ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے سے کام کے لئے ایک شخص پرمٹ یا لائیسنس حاصل کرنے پر مجبور ہے اس طرح ساری پبلک سرکاری ملازموں کے رحم وکرم پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے سرکاری ملازمین کے بھی اتنے وسیع اختیارات ہیں۔ کہ وہ تجارت پیشہ لوگوں اور صنعت کاروں کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔ اُن کے قلم کے الٹ پھیر سے لاکھوں کے وارے نیارے ہوسکتے ہیں۔ اس طرح رشوت اور بددیانتی کے امکانات بے حد وسیع ہوگئے ہیں۔ ان حالات میں مناسب یہ ہے۔ کہ

۱۔ مقدمات اور امور سرکاری میں وزراء سیاسی قائدین اور ارکان اسمبلی کے بے جا مداخلت کی قطعًا اجازت نہ دی جائے۔ اور سرکاری حکام کو اس کی ضمانت دی جائے۔ کہ وہ ان سفارشات کو نظر انداز کرنے پر سفارش کنندہ کے عتاب سے محفوظ رہیں گے

۲۔ ایمان دار وفادار اور فرض شناس ملازمین کی حوصلہ افزائی کے لئے اعزاز اور تمغوں کے طریقہ کی تجدید کی جائے۔

۳۔ سرکاری ملازمین کے سفر خرچ اور تنخواہوں کے بل کی فوری ادائیگی کا انتظام کیا جاوے اور اخراجات زندگی میں اضافہ کے تناسب سے گرانی الاونس اور تنخواہ کے سکیل پر نظر ثانی کی جاوے۔

۴۔ اعلیٰ حکام کو مجبور کیا جاوے۔ کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں۔

۵۔ رشوت کھانے والے افسروں کے خلاف کارروائی کو آسان اور مؤثر بنایا جائے۔ سزا فوراً دی جاوے۔ اور جتنا بڑا افسر ہو اتنی ہی زیادہ سزا دی جاوے۔

۶۔ کنٹرول کے نظام کو ختم کرکے ایک عام آدمی کی زندگی میں کم سے کم مداخلت کی جاوے۔ ع

رُخ سوئے میخانہ دارد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

نظم از حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی

(۱) زمیں بدلی زماں بدلا۔ مکیں بدلے مکاں بدلا
(۲) نہ میں بدلا نہ تو بدلا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۳) زمانے کی روش بدلی۔ زمین و آسمان بدلے
(۴) نہ بدلا فکر انسانی۔ تو پھر بدلہ تو کیا بدلا
(۵) وزارت ہی بدلنی تھی۔ تو پھر بدلی تو کیا بدلی
(۶) نہ بدلا جو بدلنا تھا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۷) نہ عادت حکمراں بدلی۔ نہ حالت بیکساں بدلی
(۸) حکومت ہی نہ جب بدلی۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۹) نہ راشی کی روش بدلی۔ نہ خویشاں پروری بدلی
(۱۰) نہ یہ بدلی نہ وہ بدلی۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۱۱) بدلنا ہے اگر تجھ کو۔ بدل جیسے عمر بدلے
(۱۲) نہ جیسے بوجہل بدلا۔ تو پھر بدلہ تو کیا بدلا
(۱۳) بدل دے جو بدلنا ہے۔ بدلنا جرم ہے مخفی
(۱۴) بدلنا ہی نہ گر بدلا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا

پاکستان کے مطالبہ کے وقت

مسلمانوں کا نعرہ

اے پاکستان میں بسنے والو۔ آپ کو یاد ہے پاکستان کے مطالبہ کے وقت آپ یہ نعرہ گلی کوچوں سڑکوں اور شاہ راہوں پر ہزارہا کی تعداد میں جلوس نکال کر لگاتے تھے "پاکستان کا مقصد کیا ہے۔ لا الہ الا اللہ کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ پاکستان میں فقط اللہ تعالےٰ کی حاکمیت ہوگی۔ اور کیا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ اس ملک میں سوائے قانون الٰہی یعنی قرآن مجید کے اور کوئی قانون

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

میاں عبدالرحمن صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی عثمانیہ کالج شیخوپورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن روزہ ہے۔ ماہِ رمضان کے روزے ہر عاقل بالغ اور مقیم مسلمان پر فرض ہیں۔ روزہ کا حکم حضرت آدمؑ کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے۔ گو تعیینِ ایّام میں اختلاف ہے۔ عربی زبان میں روزہ کو صوم کہتے ہیں۔ جس کے لغوی معنے رُکنا ہے۔ حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔ قرآن نے روزہ کا مقصد لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) بتلایا ہے۔

روزہ رکھنے سے نفس کو عادت پڑ جائیگی کہ وہ اپنی مرغوبات سے رُک جائے۔ جو چیزیں شرعاً حرام ہیں۔ پھر انسان اُن سے باز رہے گا۔ روزہ رکھنے سے نفس کی قوت اور شہوت میں ضعف بھی آجائے گا تو پھر انسان متقی ہو جائے گا۔

سو روزہ کا بڑا مقصد یہ ہے کہ نفسِ سرکش کی اصلاح ہو۔ تقویٰ، شکر اور رُشد حاصل ہو۔

اے مسلمانو! تم نافرمانی سے بچو۔ یہود اور نصاریٰ کی طرح خدا کے احکام میں خلل نہ ڈالو۔ یہود اور نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض تھے۔ مگر انھوں نے اپنی خواہشات کے موافق اُن میں اپنی رائے سے تغیّر و تبدّل کر لیا جب ماہِ رمضان سخت گرمی کے موسم میں آتا تھا تو وہ موسمِ بہار میں رکھ لیا کرتے تھے۔ چونکہ مہینہ تبدیل کر لیا تھا۔ اس لئے دس روزے کفارے کے رکھ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم بڑی تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا۔ چونکہ نفس کے بندوں اور ہوا پرستوں کو یہ حکم نہایت ہی دشوار ہوتا ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط (پ ۲ ع ۷) اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا۔ جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا۔ تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ چند روز گنتی کے ہیں۔ (۲۹ یا ۳۰ دن) پھر اس مدّت قلیل میں اتنی سہولت اور رعایت کی۔ کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو۔ یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے۔ بلکہ سوا ماہِ رمضان کے اور دنوں میں خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے رکھ لے۔

رمضان کا مہینہ بڑی برکت والا ہے صحفِ ابراہیمیؑ تورات اور انجیل کا نزول بھی رمضان شریف ہی میں ہوا تھا۔ اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں یا ستائیسویں رات میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ اوّل پر سب یکدم بھیج دیا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسبِ احوال آنحضرتؐ پر تئیس سال نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نازل شدہ قرآن آنحضرتؐ کو مکرر سناجاتے تھے۔ اسی لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئیں۔

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں سہولت دینا چاہتا ہے۔ تاکہ تم پر دشواری نہ ہو اور اپنے اللہ کی بڑائی کرو اور اس کو بزرگی سے یاد کرو اور ان نعمتوں پر شکر کرو۔ سبحان اللہ! روزہ جیسی مفید عبادت ہم پر واجب فرمائی اور مشقّت اور تکلیف کی حالت میں سہولت بھی فرما دی۔ اور فراغت کے وقت میں اس نقصان کی تلافی بھی بتلا دی۔

رمضان کی رات میں جو سونے کے بعد کھانا پینا اور جماع کرنا حرام تھا۔ اس میں بھی سہولت کر دی۔

صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرو۔ پھر اس کے ساتھ اپنے دل کو ذکرِ الٰہی۔ تلاوتِ قرآن۔ نماز۔ مراقبہ اور اعتکاف میں لگاؤ گے تو بیشک رُوح کو قوت پہنچے گی اور جسم کو چھوڑنے کے بعد بھی حیاتِ ابدی اور عالمِ قدس میں زندہ رہنے کا سبب ہوگا۔ جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کا خوگر نہیں ہوتا۔ تو اصولِ حسنات اور صبر پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ بلکہ دُنیاوی ترقی کے لئے مصائب بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

برادرانِ ملّت! رمضان شریف میں چار ایسی اہم نیکیاں اور قیمتی اسباق ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دین و دنیا کی تمام نعمتوں اور سرفرازیوں کے مالک بن سکتے ہیں پہلا سبق تمسّک بالقرآن ہے۔ اگر آپ دین و دنیا کی فائز المرامی اور سرخروئی چاہتے ہیں تو اپنے تمام اعمال و افکار کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر رکھو۔ قرآن پاک کی اعجاز نما تعلیم نے بہت تھوڑی مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کی کایا پلٹ دی۔ رسول پاکؐ نے فرمایا۔ کہ میں تم میں قرآن چھوڑ چلا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

آج اگر اُمّتِ مسلمہ کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے۔ آج اگر اس کی ہر روش، ہر حرکت اور ہر کوشش ناکامی و بربادی کا مُنہ دیکھ رہی ہے۔ اگر بے حسی کی موت نے آج اس کے ہر فرد کو بیگانۂ عمل کر دیا ہے اور اس کو زمینی اور آسمانی بلاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے تو اس کا صرف واحد سبب یہی ہے کہ مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑ لیا ہے ؎

مہرِ عالمتاب بن کر نور افشانی کرو
صیقلِ آئینہ تعلیمِ رُوحانی کرو
دُور اس ظلمت کدہ سے فتنہ سامانی کرو
شوق سے تعمیلِ ارشاداتِ قرآنی کرو
دل کو پھر اسلام کے احکام پر شیدا کرو
رُوح میں اک جذبِ مقناطیس پھر پیدا کرو

رمضان کا دوسرا سبق

اپنی خواہشاتِ نفسانی کو دبا کر روحانی نعمتیں حاصل کرو۔ روزے رکھ کر اپنے اندر خوش خلقی۔ غمخواری۔ ایثار و انکسار۔ ہمدردی۔ فروتنی اور صبر و محنت کے صفاتِ محمودہ پیدا کرو۔ حقوق العباد کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ دل کو یادِ الٰہی میں مصروف رکھو۔ زبان کو فحش گوئی۔ غیبت۔ دروغگوئی اور افترا پردازی وغیرہ ہر قسم کی بُری باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ اپنے دماغ کو بُری باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ اپنے دماغ کو بُری خواہشات اور گناہ و فساد کے ارادوں سے بچاؤ۔

رمضان کا تیسرا سبق

روزہ اس بات کا نام نہیں کہ صبح سے شام تک منہ کو کھانے پینے سے روک لیا جائے۔ اور جماع نہ کیا جائے۔ بلکہ عضو عضو کا روزہ ہونا چاہیئے۔ جسم کے تمام حصّوں کو خدا کی نافرمانی اور بُرے کاموں سے روک لیا جائے۔ دل و دماغ کو شرک۔ بدعت اور غیر خدا کی محبت سے زبان کو جھوٹ۔ غیبت اور بدکلامی سے آنکھ کو بدنظری سے۔ کانوں کو فحش باتیں سننے سے۔ ہاتھ کو

ناجائز افعال سے، پاؤں کو گناہ کی مجلسوں میں جانے سے اور پیٹ کو لقمۂ حرام سے بچائے رکھو۔ زبان اللہ کا ذکر کرے اور ہمیشہ سچ بولے، کان خلاف شرع آوازیں نہ سنیں، دل ہر قسم کے کھوٹ اور کجی سے خالص رہے، اور وردِ اسلام سے بیقرار رہے۔ دماغ شرک کی ہوا سے خالی ہو اور نورِ توحید سے روشن رہے۔ اگر مسلمان رمضان کے اس پیغام کو سن کر حقیقی روزہ رکھیں تو ہر حصۂ جسم سے عمل بالقرآن کے پاک چشمے پھوٹ پڑیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ ایک روحانی نسبت ہو جائے گی، روح پاک ہو جائے گی، جسم پاک ہو جائے گا، معاشرت اور تمدن پاک ہو جائیں گے۔

رمضان کا چوتھا سبق

مسلمانوں کی فتح مندی کا راز توحید و ایمان میں مضمر ہے۔ ان دونوں چیزوں کو سمجھو اور اعمالِ صالحہ بجا لاؤ، پھر دین بھی تمہارا ہے اور دنیا بھی۔ اگر تم خدا کے بن جاؤ، تو ساری دنیا تمہاری ہو جائے۔ اللہ کی نعمتوں کی زبان و دل اور تمام اعضاء سے قدر کرو۔ اُن کا شکریہ ادا کرو۔ عزم و استقلال، صبر و توکل اور جہاد، فاقہ کشی کی عادت ڈالو، روزہ کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمہارا مقصد حیات پاک ہو، تمہارے خیالات پاک ہوں، تمہارے اعمال پاک ہوں۔

یاد رکھو رمضان المبارک یہی تمہیں تزکیۂ اخلاق کا درس دیتا ہے۔ اپنے ظاہر و باطن عادات اور اخلاق کو درست رکھو۔ رمضان کی اس بصیرت نوازی سے فائدہ اُٹھاؤ۔

رمضان المبارک میں جنّت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

جنّت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازے کا نام ریّان ہے۔ اس دروازہ سے سوائے روزہ دار کے اور کوئی داخل نہیں ہو گا۔

اس ماہ میں ایک لیلۃ القدر ہے۔ جس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات خیر سے محروم رہ گیا اس کی تمام خیر اور بہتری فوت ہو گئی۔ اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور اُنتیسویں راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیئے۔ جو شخص اس ماہ میں نوافل پڑھے گا اس کو فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ اور جو شخص فرض ادا کرے گا اُس کو ستر فرضوں کا ثواب ملے گا۔ یہ مہینہ صبر کرنے کا ہے اور صبر کا ثواب محفوظ ہوتا ہے۔ یہ وسعت کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کا اور تیسرا عشرہ دوزخ سے رہائی کا ہے۔ رمضان کی آخری رات اُمّت کی بخشش کی جاتی ہے۔

احادیث

(۱) اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

روزہ باطنی عبادت ہے۔ ظاہر سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اور غیر کا اس میں کچھ حصّہ نہیں۔ اس وجہ سے اس کی جزا بھی بہت بڑی ہے۔

(۲) اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ

روزہ عذاب الٰہی کی ڈھال ہے۔

جب تم میں سے کسی کو روزہ ہو تو فضول نہ بولے اور بیہودہ شور و غوغا نہ کرے۔ اگر کوئی اُسے برا کہے یا لڑائی کرے تو یہ کہہ کر کہ میں روزہ دار ہوں، خاموش ہو جائے۔

(۳) روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۴) لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ۔ فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ، وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ۔

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت کی ہوتی ہے اور دوسری قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کی زیارت کے وقت ہو گی۔

(۵) مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

جو شخص ایمان اور پابندیٔ شرع کے ساتھ حصولِ ثواب کے لئے رمضان شریف کے روزے رکھے اُس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(۶) مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ۔

جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹی باتوں پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں۔

(۷) جب تم میں سے کوئی شخص روزے میں بھول کر کھا پی لے تو اُس کو چاہیئے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے کھلا پلا دیا ہے۔

(۸) مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

جو شخص ازروئے ایمان و طلبِ ثواب نماز تراویح پڑھے، اس کے سب پچھلے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

(۹) اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ۔

روزے اور قرآن مجید قیامت کے دن کے دن بندے کے لئے شفیع ہوں گے۔ روزہ کہے گا الٰہی میں نے اسے دن کے وقت کھانے پینے اور دیگر خواہشاتِ نفسانیہ سے روکا تھا۔ اس لئے اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔

قرآن عرض کرے گا میں نے رات سے سونے نہ دیا تھا۔ اس لئے میری سفارش اس کے حق میں قبول فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی سفارشیں قبول فرمائے گا۔

(۱۰) بنی آدم کے تمام نیک اعمال کے ثواب کو دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ بجز روزہ کے۔ روزہ میرا ہے اور میں ہی بے حساب اس کا اجر دوں گا۔ کیونکہ بندہ اپنی شہوت اور کھانا پینا میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ کی افطاری میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ سورج غروب ہونے پر روزہ فوراً افطار کر لینا چاہیئے۔

روزہ کھولتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔

اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر اس کو کھولتا ہوں۔

روزہ کی نیّت بھی ضروری ہے۔

نَوَیْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا مِّنْ شَھْرِ رَمَضَانَ۔

میں نیّت کرتا ہوں کہ آئندہ کل رمضان شریف کا روزہ رکھوں۔

اعزازِ اسلام۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ اس نے زندگی کو پاک کرنے کے لئے سال میں ایک مہینہ مخصوص کر دیا ہے جس کا پروگرام یہ ہے کہ آپ روزے رکھیں تاکہ آپ کا جسم، دل، عقل اور جذبات میل سے پاک ہو جائیں۔ آپ قرآن پڑھیں تاکہ آپ کا دماغ روشن ہو اور زندگی کا پورا پروگرام آپ کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ آپ لوگ مل کر ایک ہی وقت روزے رکھیں تاکہ انسانی تمدن ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو جائے یعنی اصلاحِ جسم بھی ہو، اصلاحِ نفس بھی ہو اور اصلاحِ تمدن بھی ہو۔ آج دنیا کا کوئی مذہب اصلاح کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از ——— جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو خدام الدین ۲ مارچ ۱۹۵۶ء

(قسط نمبر ۶)

غور وفکر اور عقل وخرد سے کام لینے کی چند آیتیں

غور وفکر اور عقل وخرد سے کام لینے کے سلسلہ کی چند آیتیں یہ ہیں :-

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیت الاولی الالباب ۳/۱۹۰

بلاشبہ آسمان اور زمین کی پیدائش میں رات اور دن کے اختلاف میں ارباب دانش کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا ۳/۱۹۱

وہ ارباب دانش آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (جس سے ان پر معرفت حق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور وہ پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے پروردگار یہ سب کچھ آپ نے عبث اور بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیٔ ۷/۱۸۵

کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کی بادشاہت اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے اس میں نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے

واختلاف اللیل والنہار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریح ایت القوم یعقلون ۲۵/۵

اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں اور سرمایۂ رزق (پانی) میں جس کو اللہ آسمان سے اُتارتا ہے اور اس کے ذریعے مردہ زمین میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ اور ہواؤں کے رد و بدل میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لایت القوم یتفکرون ۲۵/۱۳

اللہ نے آسمان اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے تابع فرمان کر دیں بے شک اس میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

اسی طرح فرمایا گیا ہے جانور تمہارے لئے ہیں والانعام خلقھا لکم (۱۴/۱۶) بارش اور اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لئے ہیں۔

ھو الذی انزل من السماء ماء لکم (۱۶/۱۰) ینبت لکم بہ الزرع الی اخرہ الایۃ ۱۶/۱۱ ومنہ شجر فیہ تسیمون ۱۶/۱۱ دریا اور اُس کی روانی تمہارے لئے ہے وھو الذی سخر البحر ۱۶/۱۴ وغیر ذالک

ان آیتوں میں ایک طرف تو ان کے قدرتی فائدوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ہر دور میں یکسانیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور دوسری طرف ان فائدوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو انسانی غور و فکر اور جد و جہد کے نتیجہ میں حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور معاشرہ کے ارتقاع کے ساتھ ان میں تنوع پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر ان کی افادیت بڑھتی جاتی ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو "سخر" کا لفظ اور "ہر شئے کے انسانوں کے لئے پیدا کئے جانے کا نظریہ" خود مذکورہ حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ باہر سے کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی ہے۔

اس موقع پر ایک اور قابل غور نقطہ یہ ہے۔ کہ اس قسم کی تقریباً تمام آیتوں میں اظہار قدرت کے لئے یا شکر کے مطالبہ کے لئے یا اور کسی غرض کے ماتحت کسی نہ کسی طرح اللہ کا ذکر ضرور آ گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ تحقیق و جستجو کی ہر دوڑ اور غور و فکر کے ہر میدان میں اللہ کی مرکزیت اور اُس کی ماتحتی مسلّم ہونی چاہیئے۔ ورنہ عملی دنیا میں اس کے نتائج کہیں سے کہیں پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل پہنچ رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں علماء اسلام کی شہادتیں

امام ابوبکر جصاصؒ مذکورہ کئی آیتوں کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

یحتج بجمیع ذالک فی ان الاشیاء علی الا اباحۃ مما لا یحظرہ العقل فلا یحرم شیٔ الا ما قام دلیلہ[۱]

ان تمام آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں۔ البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنٰی ہوں گی۔

[۱] احکام القرآن ج ۳ ص ۳۰

امام غزالیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس کے تابع ہیں۔ فرمایا معقولات میں عقل کا تابع ہوں اور منقولات میں قرآن[۱] کا۔

ایک موقع پر یہی امام غزالیؒ فرماتے ہیں :-

ظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم الشرعیۃ وان الجمع بینھما غیر ممکن ھو ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ[۲]

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عقلی علوم شرعی علوم کے مخالف ہیں، اور دونوں کا جمع کرنا ناممکن ہے۔ ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ غور و فکر سے متعلق آیتیں نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں :-

وکل ذالک یدل علی وجوب النظر والاستدلال والتفکر وذم التقلید فمن دعی الی النظر والاستدلال کان علی وفق القران ودین الانبیاء ومن دعی التقلید کان علی خلاف القرآن وعلی وفاق دین الکفار

ان سب آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر و فکر اور استدلال واجب ہے۔ اور اندھی تقلید بری شئے ہے، جو شخص نظر و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ قرآن اور طریقہ انبیاء کے موافق ہے اور جو اندھی تقلید کی طرف بلاتا ہے وہ قرآن کے مخالف اور کافروں کے مذہب کے موافق ہے۔

امام ابن تیمیہ کا قول۔ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ

دین کی تکمیل قوت حرب جہاد اور مال کے بغیر نہیں ہو سکتی

اس وقت ہمارے سامنے دو فاسد راستے ہیں۔ ایک اُن لوگوں کا جو دین کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن قوت حرب جہاد اور مال سے جن کا دین خداوندی محتاج ہے۔ دین کی تکمیل نہیں کرتے، دوسرا راستہ ان والیان حکومت کا ہے جو مال حربی قوت اور جہاد سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اس سے اُن کا مقصد اقامت دین نہیں ہے۔ یہ دونوں اُن لوگوں کے راستہ ہیں۔ جن پر غضب نازل ہوا۔ یا گمراہ ہیں[۳]

پھر آگے چل کر کہتے ہیں :-

پس دین کا قوام کتاب ہادی اور حدید ناصری (تلوار) یعنی سیرت کی تشکیل اور عاملی تصرفات کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ رب قدیر نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے قرآن اور تلوار دونوں کو باہم مجتمع کرنے کی جد و جہد کرے اور اس کوشش میں خدا سے مدد مانگے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ دُنیا دین کی خدمتگار اور چاکر ہے[۴]

ایک اور موقع پر کہتے ہیں۔

دین کو قائم رکھنے والی دو چیزیں ہیں، قرآن اور

[۱] از اجتہاد ۲۹ [۲] ایضاً
[۳] سیاست الہیہ ۲۲۱ [۴] حوالہ بالا ۲۲۲

تلوار حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس تلوار سے اُس کی خبر لیں جو قرآن سے روگردانی کرتا ہے۔[۱]

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تشکیل سیرت اور عالمی تصرفات دونوں کے آمیزہ پر نہایت شاندار بحث کی ہے اور ایسے انداز میں کی ہے کہ اُسے دیکھ کر ایمان میں تازگی اور دل میں سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔[۲]

بہرحال ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صالح معاشرہ کے قیام و بقاء کے لئے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں ضروری ہیں اور قومی و جماعتی زندگی کے عمل صالح کی فہرست میں یہ سب داخل ہیں۔[۳]

چنانچہ قرآن حکیم میں جن قوموں کے احوال و واقعات بیان ہوئے ہیں، ان کی تاریخ پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے عروج و بقاء اسی وقت حاصل کیا جبکہ عالمی تصرفات کے ساتھ سیرت کی تشکیل کی اور زوال و پستی سے انہیں اسی وقت دو چار ہونا پڑا جبکہ دونوں میں کسی ایک سے کنارہ کشی اختیار کی۔

---

[۱] حوالہ بالا ص۱۸۳ [۲] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاقات

[۳] اس سلسلہ میں مفسرین کی تصریحات درج ذیل ہیں۔ جن سے عمل صالح کی عمومیت ثابت ہوتی ہے۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

والصالحات کل ما استقام من الاعمال بدلیل العقل والکتاب والسنۃ (مدارک صفحہ ۱۲)

(قرآن حکیم) میں صالحات سے مراد ہر وہ عمل ہے جو صحیح اور درست ہو۔ خواہ اس کی صحت کتاب و سنت سے ثابت ہو یا عقل سے۔

وھی من الاعمال ما سوغہ الشرع وحسنہ (بیضاوی ص۳۷)

تمام وہ کام جن کو شریعت نے جائز رکھا اور جن کی تحسین کی ہے۔

تفسیر عزیزی میں ہے:۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وعملہائے شائستہ کردہ اند و عمل شائستہ ہماں است کہ ایں کتاب پاک فرمودہ باشد یا کہ از فروغ تلقیہ ایں کتاب کہ سنت پیغمبر و اجماع مجتہداں است و قیاس بر آں دلالت فرمودہ۔ (تفسیر عزیزی ص۹۱)

حدیث میں سمت حسن اور ہدی صالح کا ذکر ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"و ہمچنیں در قوت عاملہ او مرتبہ عیدہ کہ بسبب آں سمت صالح نصیب او گردد و رعایات آداب و عادات و تدبیر منزل و سیاست مدینہ بطورے کہ اذاں خوب ترنشود و اہتمام فرماید و فنون شجاعت و سیاست و عدالت و کفایت و شناختن مصلحت بر وقتے اورا عطا می کنند و بسوئے ایں اشارت واقع شدہ در حدیث السمت الصالح جزء من اجزاء النبوۃ (قرۃ العینین ص۲۴۶ از تجلیات الٰہیہ ۲)

انسان کی ابتدائی سرگزشت اور اس سے عمل صالح پر استدلال

اس کی صورت ابتدائے تاریخ قرآنی سے یہ ہوئی کہ اس دنیا میں انسان کے آباد ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے باپ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے واسطے سے تمام انسانوں کو بنیادی حیثیت سے چند باتوں کی ہدایت کر دی تھی، جن کا تعلق یہاں کی مادی و روحانی دونوں زندگیوں سے تھا۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب نئے شخص کو کسی نئے مقام پر اہم ڈیوٹی سپرد کرنا ہوتی ہے۔ تو صلاحیت کے امتحان میں کامیاب ہو جانے کے باوجود اسے باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہاں کی کیفیات و حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ کام کی نوعیت اور نشیب و فراز سے واقف کرایا جاتا ہے۔ پھر ان تمام مرحلوں سے گذارنے کے بعد اس کو عہدہ دیکر بھیجا جاتا ہے۔ یہی صورت بعینہ اس مقام پر سمجھنا چاہیئے۔ تفصیل یہ ہے:۔

(۱) انسان کے اندر صلاحیتیں اوّل ہی دن سے ودیعت کر دی گئیں تھیں۔ جن کے ظہور کے لئے بتدریج ارتقائی منزلوں سے گزرنا ضروری تھا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا [۲/۴]

(۲) انسان مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو گیا تھا۔ قال یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم [۲/۴]

اسماء کے بارے میں متقدمین کی رائے یہ ہے۔

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کہتے ہیں:۔

علمہ اسماء جمیع الاشیاء[۱] اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں:۔

اعنی الاجناس بمعانیھا العموم اللفظ[۲]

مراد ساری جنسیں مع اُن کے معانی کے ہیں کیونکہ اسماء کا لفظ عام ہے۔

متاخرین میں قاضی ثناء اللہؒ کے نقل کردہ بہت سے اقوال میں سے دو یہ ہیں:۔

قیل اسم ما کان وما یکون[۳] بعضوں نے کہا کہ گزشتہ اور آئندہ سب چیزوں کو بتا دیا گیا تھا۔

قیل صفۃ کل شئی[۴] بعضوں نے کہا کہ ہر شئے کی صفت بتائی گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ کالم اوّل)

اللہ تعالیٰ جس طرح نبی کی قوتِ عاقلہ میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی قوتِ عاملہ میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ سے سمتِ صالح اس کے حصہ میں آجاتی ہے پھر وہ سیاستِ مدینہ، تدبیر منزل اور جملہ آداب عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آسکتی۔ اس کو اخلاق بہادری اور سیاست و عدالت اور ہر وقت و محل کے مناسب مناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث "السمت الصالح" میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

[۱] احکام القرآن جصاص ج۱ ص۳۳ [۲] حوالہ بالا [۳] تفسیر مظہری ج۱ ص۵۳ [۴] حوالہ بالا [۵] ص۱۸

علم سے اس موقع پر اجمالی علم مراد ہے، جس کا مطلب "صلاحیت" ہے۔ نہ کہ تفصیلی[۵]

(۳) جنت میں ٹریننگ کے لئے ایک عرصہ تک رکھا گیا تھا۔ تاکہ وہاں کے نظام کو اور تعمیر و ترقی کی اسکیموں کو اچھی طرح سمجھ لے[۶]۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بار بار جنت کا تذکرہ منجملہ اور فائدوں کے ایک یہ فائدہ پہنچاتا ہے کہ دنیا کی تعمیر و ترقی میں جنت کا نقشہ سامنے رہے۔

(۴) ان مرحلوں سے گزارنے کے بعد جب مقررہ عہدہ (نیابت و خلافت) پر بھیجنے کا وقت آیا تو درج ذیل باتوں کی ہدایت کی گئی تھی۔

انسان کے دنیا میں آباد ہونے کے وقت کی چند بنیادی ہدایتیں اور اس میں عالمی تصرفات اور تشکیل سیرت دونوں کا ذکر

(۱) دو مخالف طاقتوں (انسان اور شیطان) میں باہمی دشمنی اور رسہ کشی جاری رہے گی، جس کا مظاہرہ جنت میں بھی ہو چکا ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا اور دامن بچا کر کام کرتے رہنا بعضکم لبعض عدو [۲/۴]

(ب) جہاں جا رہے ہو وہاں تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا۔ بلکہ ایک مقررہ وقت تک رہنا ہے۔ پھر اس عرصہ میں وہاں کی چیزوں سے فائدہ اُٹھانا (عالمی تصرفات) لیکن اپنی حیثیت کو کبھی نہ بھول جانا ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین [۲/۴]

(ج) تشکیل سیرت کے بارے میں چند بنیادی باتیں بتا دی تھیں، جس میں دعا و استغفار وغیرہ کے کلمے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد جنت کی گذشتہ لغزش کو معاف کر کے نیابت و خلافت کے عہدہ پر مامور کیا گیا تھا۔ فتلقی آدم من ربہ کلمٰت[۱] فتاب علیہ [۲/۴]

(د) یہ بھی کہہ دیا گیا تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً میرے پیغمبر آتے رہیں گے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ تمہارے اندر ودیعت کی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لائیں گے اور تمہاری سیرت کی تشکیل کریں گے۔

(س) جنہوں نے ان کا کہنا مانا اور اپنی حالت درست رکھی تو ان کے لئے دُنیا میں کسی قسم کا خوف اور غم نہ ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اُنہوں نے اپنے اندر جنت (جو دنیا سے کہیں عالی مقام ہے) مستقل سکونت اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا کر

---

[۱] میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں "کلمٰت" کا مفہوم عام رکھنے میں کسی اصول کی زد نہیں پڑتی ہے جبکہ بہت سے مفسرین نے اس کی تفسیر مروجہ دعائیہ الفاظ "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا" الخ سے ہٹ کر "من کلمات الدعا والاستغفار والتضرع" کی ہے۔ رہ گیا "فتاب علیہ" کا محل تو اس صورت میں اس کا مفہوم اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یعنی اللہ نے آدمؑ پر توجہ فرمائی یعنی لغزش کو معاف کر کے عہدہ پر بھیج دیا۔

کر لی ہے[1] اور جنہوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ شیطان کی دشمنی کے شکار ہو گئے تو وہ دوزخ میں جائیں گے۔ جہاں انہیں غفلت شعاری اور عافیت کوشی کی سزا ملے گی۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۳۹/۲

تمام پیغمبروں نے قومی زندگی میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی اسی بنا پر ان کی تعلیم میں اختلاف نظر آتا ہے ورنہ سب کی تعلیم یکساں تھی اور سب نے قوم کو عمل صالح کی طرف بلایا

الغرض اس قدر اہتمام و انتظام کے بعد، حضرت انسان دنیا میں اپنے عہدہ پر مامور ہو گئے، کچھ دنوں تک مذکورہ ہدایتوں پر قائم رہے۔ پھر ان میں تبدیلیاں شروع ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کی بنیاد وہی شیطان دشمنی تھی۔ جس سے پہلے آگاہ کیا جا چکا تھا۔ حسب وعدہ اللہ نے اپنے رسولوں اور ہدایتوں کے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا تاکہ یہ لوگ تعلیم کے ذریعہ اس کا اصلی مقام واپس دلائیں۔ اور مخالف طاقتوں کے غلبہ کی وجہ سے جو صلاحیت کو زنگ لگ گیا ہے تربیت کے ذریعہ اس کو دور کریں۔

یہ مقدس ہستیاں مختلف وقتوں میں مختلف مقامات پر مذکورہ غرض کے ماتحت آتی رہیں اور زندگی کے جس پہلو میں کمزوری زیادہ سرائت کی ہوئی تھی۔ اسی کو اپنی تعلیم و تربیت میں زیادہ نمایاں مقام دیتی رہیں۔ مثال کے طور پر کوئی قوم دنیاداری میں حد سے زیادہ ڈوب کر عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئی تھی، تو اعتدال کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے دنیا کی بے ثباتی کی طرف زیادہ توجہ دلائی۔ کوئی قوم تشدد اور سختی کی طرف زیادہ مائل تھی تو نرمی پر زیادہ زور دیا وغیرہ۔

نفسیات کے ماہرین اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کہ سماجی زندگی کی اصلاح کے سلسلہ میں کہاں، کس طرح اور کس حد تک زیادہ زور ڈالنے کی ضرورت ہے کہ اس میں اعتدال کی کیفیت پیدا ہو در اصل یہی اعتدالی کیفیت عمل صالح کی روح و رواں ہے[2]۔

---

[1] تفسیر عزیزی مقدمہ سورہ انفطار

[2] اسی اعتدال کی کیفیت پیدا کرنے کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بعض احکام سخت ملتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بظاہر رہبانیت کا شبہ ہوتا ہے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور دولت سے بے رغبتی کی سخت تاکید فرمائی اور یہودیوں کی انتہائی سخت دلی کے پیش نظر فرمایا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم اس کے سامنے اپنا دوسرا گال پیش کر دو۔ اور اگر کوئی

رسول اللہ تعلیم و تربیت کا جامع نظام لے کر تشریف لائے۔ جس میں حالات کے لحاظ سے مختلف طریقے اور مختلف تدبیریں ہیں

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے داعیٔ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا اور تعلیم و تربیت کا جامع نظام آپؐ کے سپرد کیا۔ جس میں موقع و محل اور زمانہ کے لحاظ سے سماجی زندگی کی اصلاح کے لئے مختلف طریقے اور مختلف تدبیریں مذکور

(بقیہ حاشیہ کالم اوّل)

بے گار میں پکڑ کر تمہیں ایک میل لے جائے تو تم اس کے ساتھ دو میل چلے جاؤ۔" اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے حلت اور حرمت کے بارے میں سخت احکام صادر فرمائے اور پابندیوں اور بندشوں کے سلسلہ میں بتدریج ان کے یہاں سختی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ سب کچھ قومی زندگی میں عمل صالح کی روح پیدا کرنے کے لئے تھا۔

اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ جب کبھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا دوسروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو بالعموم اسی قسم کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور اصل حقیقت نہ سمجھنے کی بناء پر در پردہ ان مقدس ہستیوں کی توہین ہوتی ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد "دوسو" کا یہ قول قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ "حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کیلئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت منادی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دئے۔ جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا۔" ملاحظہ ہو معاہدہ عمرانی صفحہ ۲۳۸)

در اصل عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا، مذہب اور سیاست کی کوئی تفریق نہ تھی۔ بعد میں ان کے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی۔ اس بنا پر الزام حضرت عیسیٰؑ پر نہیں بلکہ ان کے ماننے والوں پر ہے۔

اس بارے میں "ڈاکٹر گوستاف لی بان" کی تحقیق زیادہ قابل قدر ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانے اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے۔ لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں۔ ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ (تمدن عرب صفحہ ۱۲۳)

جیسا کہ بیضاوی نے خلافت آدمؑ کی بحث میں کہا ہے (تمہید ص۱)

وكذالك كل نبي استخلفهم في عمارة الارض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ امره فيهم۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آبادکاری میں، لوگوں کی سیاست میں، ان کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا۔ (بیضاوی صفحہ ۵۹)

ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے قرآن اور سیرت کا مطالعہ سماج کی اصلاح اور اس کی نفسیات کو سامنے رکھ کر کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

(۱) قرآن حکیم میں انفاق اور خرچ کے بارے میں مختلف چیزیں ملتی ہیں، کہیں جواب میں کہا گیا ہے۔ "قل العفو" ۲۱۸/۲ (جو کچھ ضرورت سے زاید ہو سب خرچ کر دو) کہیں قرابت دار، یتیم اور مسکین وغیرہ پر خرچ کرنے کی تاکید ہے ۱/۲ اور کہیں زکوٰۃ کا حکم ہے۔

اس قسم کی تمام آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں در اصل حالتوں کے اختلاف کی بناء پر ہیں یعنی یہ بات مسلم ہے کہ صالح معاشرہ کے بقاء و قیام کے لئے معیشت کا متوازن ہونا ضروری ہے، اب اگر یہ توازن اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ ضروریات زندگی کو چھوڑ کر کثیر آمدنی والوں سے سب کچھ لے لیا جائے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو ایسی حالت میں "قل العفو" کا حکم ہے اور اگر یہ توازن زکوٰۃ کی مقررہ مقدار سے پیدا ہو سکتا ہے، تو ایسی صورت میں اسی پر اکتفا کرنے کا حکم ہے۔

اسی طرح دفاع کا معاملہ درپیش ہے اور مصارف جنگ کا سوال ہے۔ اس کے بغیر چارہ نظر نہیں آتا ہے کہ جو کچھ ہے سب اسی راہ میں قربان کر دیا جائے۔ تو ایسے نازک موقع پر ذاتی منفعتوں کو نظر انداز کر کے تن من دھن سب کے قربان کر دینے کا حکم ہے۔

قرابت داروں کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے اور خود کے پاس زکوٰۃ کی مقدار نکالنے کے باوجود فاضل سامان موجود ہے۔ تو ایسی حالت میں ہر طرح سے ان کی اعانت کرنا فرض ہے۔

غربت و افلاس اس حد تک پہنچ چکا ہے۔ کہ طبقاتی کش مکش صرف زکوٰۃ کی مقدار سے نہیں دور ہو سکتی تو سب سے پہلا کام اس کش مکش کو دور کرنا ہے جس طرح بھی ہو غائر نظر ڈالنے سے اس طرح کی بہت سی مثالیں آپ کو مل سکتی ہیں۔

قرآن حکیم نے اچھائیوں کی نشر و اشاعت اور برائیوں سے روکنے کے سلسلہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے سماجی زندگی کے مختلف دور اور مختلف مرحلوں کا پتہ چلتا ہے۔ نہ ساری اچھائیاں اس نے یک جا منتخب کی ہیں اور نہ ساری برائیوں سے دستکش ہونے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ ۲۳ سال میں سماج کے مختلف ادوار اس کی حیثیت کو سامنے رکھ کر ایک عمل نظام پیش کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے جو بھی چیز سامنے آتی دونوں سے اس کا والہانہ استقبال کیا۔

آج دنیا کے سامنے شراب کا معاملہ کتنا نازک اور اہم ہے۔ امریکہ نے اس بارے میں ۱۹۳۵ء تک سب کچھ کر کے دیکھ لیا اور بالآخر سے قانون واپس

زندگی ← زندہ دلی کا نام ہے!

از جناب خاموش صاحب مبلغ ملتان

زندہ دلی کے پانچ اسباب

حضرت عبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں دل کا دارو ہیں۔
(۱) نیکوں کی صحبت (۲) قرآن کی تلاوت
(۳) رات کی عبادت (۴) صبح کی گڑگڑاہٹ و عاجزی
(۵) طعام کی قلت (پیٹ کا خالی رکھنا)

کوش تا دل زندہ گردد تن چہ آرائی برنگ
مردہ را سودے نباشد گور با نقش و نگار

مردہ دلی کے دس وجوہ

حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ دس وجوہ سے تمہارے دل مردہ ہو چکے ہیں اس لئے تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں:۔
(۱) تم نے اللہ کو پہچانا اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔
(۲) تم نے قرآن تو پڑھا لیکن اس پر عمل نہ کیا۔
(۳) شیطان سے دشمنی کا دعویٰ کیا تم نے اور محبت کی اس سے۔
(۴) تم نے دعویٰ کیا عشق رسول اللہ کا اور اُن کی سنت کا اور طریقہ کو چھوڑ دیا۔
(۵) تم نے محبت بہشت کا دعویٰ کیا اور اس کے لئے عمل نہ کیا
(۶) دوزخ سے ڈرتے ہو اور گناہوں سے باز نہیں آتے۔
(۷) موت کو برحق سمجھتے ہو اور مرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔
(۸) دوسروں کے عیب چنتے ہو۔ اور اپنے گناہوں پہ نگاہ نہیں کرتے
(۹) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہو، اور اُس کا شکر ادا نہیں کرتے۔
(۱۰) اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو اور عبرت نہیں پکڑتے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا!
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

باغی انسان

سارے انسان خدا کی مخلوق ہیں۔ چاہے وہ اس کی بندگی کا انکار ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ اُسی کے محتاج ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ اسی کی زمین پر اسی کے آسمان کے سایہ تلے بستے ہیں اسی کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے کر اسی کی پیدا کی ہوئی حیوانات، معدنیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر اُسی کی ہی نافرمانیاں کر کے بغاوت کا علم سربلند کرتے ہیں۔ اور بعض تو یہاں تک بک جاتے ہیں ؎

تعریف اس جہاں کی جس نے خدا بنایا۔ العیاذ باللہ

لیکن مبارک ہیں وہ بندگان خدا کہ جن کی تعریف خداوند کریم نے خود اپنی کلام پاک میں فرمادی ہے اور اپنے بندگان خاص کی توصیف اس طرح بیان فرمائی ہے

رحمٰن کے بندے

وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے بے سمجھ لوگ بات کریں تو سلام کہہ دیتے ہیں۔ اور وُہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سجدے اور قیام میں رات گذار دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب دور کر بے شک اس کا عذاب نری تباہی ہے اور وُہ بُرا ٹھکانا ہے اور بری قیامگاہ ہے اور وہ لوگ خرچ کرتے وقت فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ اعتدال سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں پکارتے اور نہ ہی کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں اور زنا نہیں کرتے۔ جس نے ایسا کیا اس نے گناہ کیا اور قیامت کے دن اُسے دو گنا عذاب ہوگا۔ اور اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔ البتہ جس نے توبہ کی ایمان لایا اور نیک کام کئے تو اللہ تعالےٰ اسکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کئے۔ تو واقعی وہی اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جب (اتفاقاً) بیہودہ کام سے اُن کا گذر ہو جاتا ہے۔ تو وہ شریفانہ طور پر گذر جاتے ہیں۔ اور جب انہیں پروردگار کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہم کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا یہی لوگ ہیں (جو ان اعمال اور اخلاق حسنہ) پر رہنے کے اجر میں جنت میں محل پائیں گے۔ اور اس میں فرشتے دعا اور سلام سے استقبال کریں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہ بہترین ٹھکانا اور خوب مقام ہو گا

توبہ کے معنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے چھ معانی ہیں (۱) سابقہ گناہوں پر ندامت (۲) ضائع شدہ فرائض کا اعادہ (۳) ظلم سے چھینی ہوئی چیزوں کا واپس کرنا (۴) اپنی جان کو عبادت کر کے پگھلانا جیسا کہ اس کی گناہوں سے پرورش کی (۵) نفس کو عبادت کی تلخی چکھانا۔ جیسا کہ اس کو گناہ کی لذت چکھائی (۶) اور ہر ہنسی کے بدلے رونا جو تم ہنسے۔

دعا فرمایئے! خداوند کریم سب مسلمانوں کو صحیح معنوں میں توبہ کی توفیق عطا فرماویں اور پاک مرکزوں اور نیک لوگوں کی صحبت عطا فرما کر زندہ دلی کی نعمت بے بہا سے مالا مال فرماویں آمین!

بقیہ عروج وزوال

لینا پڑا۔ عربی زبان میں اس کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب الفاظ ملتے ہیں۔ جن سے اہل عرب کی فریفتگی اور شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، قرآن حکیم نے اس کی مخالفت میں جو طریقہ اختیار کیا وہ قابل غور ہے۔
ایک مرتبہ آپ نے کہا کہ شراب میں نفع (عارضی سرور) والے ان حدتوں ہیں۔ لیکن نقصان (برائی) اس میں زیادہ ہے ۲۱۸/۲
اس سے یہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ چیزوں کے استعمال میں صرف نفع ہی نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ نفع اور نقصان دونوں کو تولنا چاہیئے، جس چیز میں نقصان زیادہ ہو اُسے ترک کر دینا چاہیئے۔ اگرچہ تھوڑا نفع بھی ہو اور جس چیز میں زیادہ نفع ہو اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس میں کچھ نقصان کا بھی احتمال ہو۔ ابتداء میں اس کی حیثیت مشورہ کی تھی۔ جس کا مقصد شراب کے نقصان کو ذہن میں بٹھانا تھا۔ اس ابتدائی مرحلہ میں شراب کے اس عارضی نفع کو بھی تسلیم کرلیا۔ جو اُن کے خیال میں تھا کہ اس سے لڑائی لڑنے میں مدد ملتی ہے اور سرور کی خاص کیفیت پیدا ہو کر غم غلط ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ قرآن حکیم نے اس موقع پر کس قدر اُن کے جذبات کا لحاظ رکھا پھر دوسری مرتبہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ۴۳/۴ اس سے کم سے کم اتنا تو ہو گیا کہ نماز اور اُس کے وقت کے قریب شراب پینے پر پابندی لگ گئی۔ پھر جب ان کی طبیعت ہموار ہو گئی اور مستقل نقصان کی خاطر عارضی نفع کو چھوڑنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ تو شراب پر دائمی پابندی کا حکم آ گیا اور اس شدومد کے ساتھ کہ "رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۵/۹۰" یہ شیطانی حرکتوں کی گندگی ہے۔ تم اس سے پرہیز کرو۔ تاکہ فلاح پاؤ۔
راوی کا بیان ہے کہ جس دن دربار نبوت کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا ہے۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب بہ رہی تھی۔ اور جو جس حالت میں شراب لئے ہوئے تھا اسی حالت میں اُس نے پھینک دی حتیٰ کہ جام منہ میں لگا ہوا تھا، تو وہ نیچے آ گیا گھونٹ منہ میں تھا تو وہ زمین پر آ گیا۔ (باقی آئندہ)

وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے۔ اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور فاسق لوگوں کی اکثر بری حالت ہوتی ہے کہ بس اب مرے۔ اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے۔ تب بھی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں۔ بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مُردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی ہے اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے

حضورؐ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے معلوم ہوا کہ اُن کی غیبت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ عوام کا تو ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دُنیادار کہلاتے ہیں۔ دینداروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر اپنے یا کسی غیر کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہار واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

حضورؐ سے کسی نے پوچھا کہ غیبت کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ کسی کے پسِ پُشت ایسی بات کرنی جو اُسے ناگوار ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اُس میں واقعتہً وہ بات موجود ہو جو کہی گئی فرمایا جبھی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔

ایک مرتبہ حضورؐ کا دو قبروں سے گزر ہوا۔ فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے اور دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے پر۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سُود کے ستّر سے زیادہ باب ہیں۔ سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ اور ایک درہم سُود ۳۵ زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین سُود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سُود مسلمان کی آبرو ریزی ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمانوں کی آبرو ریزی پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا سے محفوظ فرمائیں۔ بزرگوں اور دوستوں کی دُعا سے مجھ سیاہ کار کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی امراض میں کثرت سے مبتلا ہوں۔

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے۔ ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سُننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

چوتھی چیز۔ باقی اعضاء بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاء بدن کا۔ اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اُس کا حال اُس شخص کا ہے کہ کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے۔ مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائیگی مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے مقصود روزے سے قوت شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے۔ اور قوت نورانیہ اور ملکیہ کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینے تک بہت کچھ کھایا ہے۔ اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی۔ تو کیا جان نکل جائے گی۔ مگر ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ افطار کے وقت تلافی مافات میں اور سحر کے وقت حفظِ ماتقدم میں اتنی زیادہ مقدار میں کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار میں کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں۔ اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب اُن پر پڑتا ہے تو خُوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوت شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اُٹھتی ہے اور جوش میں آ جاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے۔ جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں۔ اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں۔

دوسری غرض روزے سے فقراء کے ساتھ تشبہ اور اُن کے حال پر نظر ہے۔ وہ بھی جبھی حاصل ہو سکتی ہے۔ جب سحر میں معدہ کو دُودھ جلیبی سے اتنا نہ بھرے کہ شام تک بھُوک ہی نہ لگے۔ فقراء کے ساتھ مشابہت جبھی ہو سکتی ہے۔ جب کچھ وقت بھُوک کی بیتابی کا بھی گزارے غرض یہ کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہو تا کہ زیادہ ثواب کا سبب ہو اور مساکین اور فقراء پر ترس آ سکے۔

خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ خدا کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں ہے جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے

ایک جگہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے اگر کوئی شخص کھانے پر تُل ہی جائے۔ تو بس اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے اور ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی آخر کوئی تو وجہ تھی۔ کہ ہمارے حضور آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز تک مسلسل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔

چھٹی چیز۔ جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ روزہ کے بعد اُس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نہ معلوم یہ روزہ قابل قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ ایسی تو نہیں ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہ فعل مُنہ پہ مار دیا جائے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک اُن کو لعنت کرتا رہتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شہید عالم اور سخی کو بلایا جائے گا۔ وہ اپنی اپنی بڑائیاں بیان کریں گے۔ کہ ہم نے تیری راہ میں تیری رضا کے لئے سب کچھ کیا۔ حکم ہو گا کہ جھوٹ بولتے۔ تم نے اپنی شہرت کے لئے۔ اپنی واہ واہ کرانے کے لئے یہ کام کئے تھے۔ میری رضا مقصود نہیں تھی۔ پھر ان کو مُنہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیتی کے ثمرات ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ میں آدمی کے ہر جُز پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے۔ اور کان کا روزہ ناجائز سُننے سے احتراز آنکھ کا روزہ لہو ولعب کی چیزوں سے بچنا ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء۔ حتیٰ کہ نفس کا روزہ شہوت کی لذتوں سے بھی احتراز ہے اور سِر کا خاص روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

دسویں حدیث

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزے

کو افطار کر دے۔ غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر رکھتا جائے اُس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ حضرات بھی شامل ہیں۔ اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کا روزہ بلاوجہ کھول دیا۔ اُس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزے سے قضا ہو جائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک روزے کے علاوہ دو مہینے کے روزے کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں ہے۔ کہ بعد میں قضا بھی کرنے اور اگر سرے سے رکھتے ہی نہیں۔ جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فساق کی حالت ہے تو اس کی تمرّدی کا کیا پوچھنا۔

روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ حضورؐ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی۔ سب سے اوّل توحید و رسالت کا اقرار۔ اس کے بعد اسلام کے چار مشہور رکن نماز روزہ۔ حج اور زکواۃ۔ کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں۔ لیکن ان پانچ میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں۔ سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں۔ مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ کی روائت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے کلمہ شہادت، نماز اور روزہ۔ جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے۔ اس کا خون کر دینا حلال ہے۔ علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو مگر اس سے انکار نہیں کہ حضورؐ کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش و عشرت بہت جلد چھوٹنے والی ہے۔ کارآمد چیز صرف اللہ کی اطاعت ہے۔ بہت سے جاہل تو صرف اتنے ہی پر کفائت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے۔ لیکن بہت سے بددین زبان سے اس قسم کے لفظ بک دیتے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو۔ یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا مسخر اور مذاق اُڑانا بھی کفر کا سبب ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے، کبھی بھی روزہ نہ رکھے۔ اسی طرح اور بھی کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو۔ وہ کافر نہیں۔ جس فرض کو ادا نہیں کرتا اُس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے۔ لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر بھی کفر ہے۔ جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز اور روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے۔ اس لئے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسی بات نہ کہے اور اگر تمسخر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افطار کرنے والا فاسق ہے۔ حتیٰ کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں علی الاعلان بغیر عذر کے کھائے اُس کو قتل کیا جائے۔ قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ یہ کام امیرالمومنین کا ہے۔ تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہار نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا درجہ ہی نہیں، کہ اُس کو دل سے بُرا سمجھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مطیع بندوں کے طفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرمائیں۔ کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں اور سب مسلمانوں کو نیک اعمال کی توفیق عنائت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سوالات متفرقہ مع جوابات

(قسط ششم) سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو "خدام الدین" مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۶ء

(۱) **سوال**: منتر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: منتر تین قسم ہے۔ ایک وہ جس کو جاہلیت میں پھونکا جاتا تھا اور اس کے معنے نہیں سمجھا جاتا اس سے کنارا کرنا واجب ہے۔ تا کہ اس میں الفاظ شرکیہ نہ ہوں کیونکہ وہ منتر جس میں الفاظ شرکیہ ہوں یا غیر سے امداد کیلئے ہوں وہ حرام ہے اور حرام سے اجتناب واجب ہے دوسرا منتر وہ ہے جس میں کلام خدا ہے یا خدا کے نام ہیں، یہ جائز ہے اور اگر سلف صالحین سے منقول ہے تو مستحب ہے تیسرا منتر وہ ہے۔ جس میں خدا کے ناموں کے علاوہ فرشتوں کے نام ہوں یا کسی نیک بزرگ کے نام ہوں، اور بطور شرکیہ استعمال نہ ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔ قال الربیع سالت الشافعی عن الرقیۃ فقال لا بأس ان یرقی بکتاب اللہ تعالیٰ وبما یعرف من ذکر اللہ (کتب الارشاد صف ۶۸) ترجمہ حضرت ربیع رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منتر کا پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ جس منتر میں کتاب اللہ کے الفاظ یا اللہ کا نام ہو وہ جائز ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ عقد التمائم فالمراد بہا تمائم الجاھلیۃ۔ ترجمہ حضرت نبی کریم تعویذ باندھنا مکروہ جانتے تھے۔ ان تعویذات سے مراد جاہلیت کے تعویذات یا ٹونے یا منتر وغیرہ مراد ہے۔ قطب الارشاد صہ ۹۸

(۲) **سوال**: اہلِ قبور سے استعانت جائز ہے یا ناجائز با تفصیل بیان ہو۔

(**جواب**) استعانت کے تین معنے ہیں۔ (۱) یہ کہ خدا سے دعا کرے کہ الہٰی بحرمت فلاں بزرگ میرا کام تو کر دے باتفاق جائز ہے۔ خواہ قبر کے نزدیک ہو یا دوسری جگہ ہو۔ (۲) دوسری یہ ہے کہ صاحب قبر سے کہے کہ اے بابا تو میرا یہ کام کر دے۔ یہ شرک ہے، خواہ قبر کے پاس کہے یا دور کہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اعینونی عباد اللہ۔ ترجمہ:۔ اے اللہ کے بندو میری امداد کرو۔ جو کہ ایک حدیث ہے لیکن وہ فی الواقعہ کسی میّت سے استعانت نہیں ہے بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود رہتے ہیں اُن سے طلب اعانت ہے، کہ حق تعالیٰ نے اُن کو اُسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے اُس سے حجت جواز پر لانا جہل ہے۔ معنی حدیث سے۔

(۳) تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے اے بابا تم میرے واسطے دعا کرو کہ خدا تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف ہے علماء مجوزین سماع موتیٰ اس کے قائل ہیں اور مانعین سماع موتیٰ منع کرتے ہیں۔ ہاں انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ سماع موتیٰ کا مسئلہ صحابہ کرام سے مختلف فیہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصّہ اوّل صہ ۹۹ کتاب البدعات) "مائۃ مسائل" "اربعین" حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق مرحوم دہلوی)

اور میں نے اپنی کتاب کوکب توحید میں مجمع الغرائب فی تحقیق المذاہب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک شخص کسی صالح کی قبر پر جا کر اُسے پکار رہا تھا تو وہاں سے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا گزر ہوا۔ آپ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا سحقاً لک و تربت یداک کیف تکلم اجساداً لا ارواح لہا ولا یسمعون صوتاً ولا یستطیعون جواباً

ترجمہ:۔ تو ہلاک ہو تیرے دونوں ہاتھ خاک

قرآنی تعلیمات اور انسانیت کا رخ زیبا (صفحہ ۳ سے آگے)

اور مجموعی کیلئے اس کے کسی حصہ میں بھی کوئی خلا باقی نہیں رہا۔ اور اس کے کسی جزء میں بھی ایسا جھول نہیں پایا جاتا جو اس کے مثالی اور نمونہ کی جماعت ہونے پر اثر انداز ہو سکے۔

کذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا — اسی طرح ہم نے تمکو معتدل امت بنایا کہ تم (اپنے قول و فعل سے) لوگوں کے سامنے حق و صداقت کی شہادت پیش کرو۔ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے (اپنے قول و فعل سے اسی حق و صداقت کی) شہادت پیش کرتے رہیں۔

ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر — اگر ہم ان کو سیاسی اقتدار عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ معروف کا امر اور منکر کی مخالفت کریں۔

قرآن حکیم اس "امۃ وسط" اور نمونہ کی بہترین جماعت کو پیش کر کے آگاہ کرتا ہے کہ جو بھی ایمان و اذعان ہو۔ ضروری ہے کہ وہ اسی نہج کا ہو اور اسی انداز پر ہو۔

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا (سورہ بقرع ۱۶) — پس اگر وہ ایمان لاتے ہیں جس طرح تم ایمان لائے۔ تو بیشک وہ ہدایت یافتہ اور راہ یاب ہیں۔

یعنی جو فرد یا جماعت بھی اس زمرہ میں داخل ہونا چاہے اگر اس کے ایمان و اذعان۔ علم و عمل امۃ وسط کے ایمان و عمل کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے تو بیشک وہ قابل اعتبار ہے۔ اور اس سے مزعومہ اصلاح اور تعلیم و تبلیغ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

ورنہ ان کا ہر ایک دعویٰ غوغا بے معنی ہے جس کا کوئی اعتبار و اعتماد نہیں۔

جماعتی فریضہ اور وظیفہ عمل

"امۃ وسط" اور اس نیک ترین نمونہ کی جماعت کا وہ فرض منصبی جس کی اتباع ہر ایک مسلمان کو کرنی ہوگی۔ اور جو ہر ایک اصلاحی جماعت کا نصب العین اور وظیفہ عمل ہوگا۔ کیا ہے صرف یہ ——— بھلائی پھیلاؤ

برائی ختم کرو۔

ارشاد و اصلاح سے خلق خدا کو نفع پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین رکھو۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیے:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ — (مسلمانو) تم تمام امتوں میں "بہتر امت" ہو۔ جو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے ظہور میں آئی ہے نیکی کا حکم کرتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر یقین و ایمان رکھتے ہو۔

یعنی:۔ تمہارا انفرادی اور جماعتی فرض یہ ہے کہ

(۱) معروف:۔ یعنی ہر ایسی جانی پہچانی بات جس کو ساری دنیا۔ نیکی۔ بھلائی اور اچھائی سمجھتی ہے اس کی اشاعت کرو۔ اس کے پھیلانے کی تمام سرکاری اور غیر سرکاری تدبیریں اختیار کرو۔

(۲) منکر:۔ باتیں جن کو ساری دنیا برائی اور شر سمجھتی ہے ان کی مخالفت اور بندش کی صورتیں اختیار کرو۔

یہ تمہارا فرض اس لئے ہے کہ

الف۔ عالم وجود میں "مسلم" کی مشاطہ آرائی اسی لئے کی گئی ہے کہ پوری نوع انسان کو اس سے فائدہ پہنچے۔

ب۔ تمہارے اندر ایمان و اذعان کا وہ آفتاب روشن ہے کہ اگر اس کی کرنیں سمیٹی جائیں تو ہر ایک تاریکی روشنی۔ ہر ایک دھندلکا اجالا اور بادیہ ضلالت کا ہر ایک ذرہ آسمان صداقت کا تارا بن سکتا ہے۔

لھٰذا جو روشنی تمہارے پاس ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ۔ اور جو دولت تمہارے دامن میں ہے۔ اس کے تقسیم کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔ بخل اور کنجوسی نہ برتو۔

لائحہ عمل

اس فرض کے انجام دینے کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) مکارم اخلاق اور اعلیٰ کردار سے مقابلہ کرنا۔ جس کو قرآن حکیم میں جہاد کبیر فرمایا گیا ہے۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ (فرقان ع ۵)

(۲) تبادلہ خیالات۔ جس کو قرآن حکیم میں مجادلہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مشکلات راہ

اخلاق و کردار کے ذریعہ اس فرض کو انجام دینا بہت مشکل ہے کیونکہ اس طرز عمل میں سب سے پہلے خود اپنے نفس سے جنگ کرنی ہوگی۔ اپنے جذبات کا گلا گھونٹنا ہوگا۔ اور اپنے اوپر اور اپنی تمام خواہشات پر اس طرح کنٹرول کرنا ہوگا کہ مقصود حقیقی کے مقابلہ میں آپ کی انانیت صفر ہو۔ خدا اور اس کی خدائی کے لئے اپنی خودی فنا ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی عادت ہو۔

الا یا ایھا الساقی ادر کاساً و ناولھا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

تصور کرو ایسی صورت کا کہ ایک شخص نے آپ پر حملہ کیا۔ زبان اور ہاتھ سے آپ کی توہین کی۔ آپ باعزت ہیں۔ شریف ہیں۔ خوددار ہیں۔ توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ کے سینے اور بازوؤں کی طاقت بھی مقابل سے کم نہیں اور فرض کیجئے آپ ایک [illegible] بھی ہیں۔

آپ اگر قانونی راستہ اختیار کرنا چاہو تو [illegible] آپ انتقام لے سکتے ہیں۔ شریعت آپ کو اجازت دیتی ہے۔ صرف آپ کو اپنے اوپر اتنا کنٹرول کرنا ہوگا۔ کہ انتقام کا پلہ بھاری نہ ہو جائے۔ یعنی جس درجہ اور جس قسم کی توہین حملہ آور نے کی ہے۔ آپ کی انتقامی توہین کا درجہ بھی وہی رہے۔ اس سے سر مو تجاوز نہ کرے۔ اتنا انتقام قطعاً جائز ہے۔ خود قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔

جزاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا — برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

مگر آپ کی وہ ڈیوٹی جو "امۃ وسط" کا فرد۔ امر بالمعروف اور اشاعت خیر کا ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے آپ پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اس انتقام سے ادا نہیں ہوگی کیونکہ جس طرح حملہ آور نے آپ کی توہین کر کے برائی کی تھی آپ بھی اس کے جواب میں ایک برائی ہی کر رہے ہیں۔ اس طرح برائی ختم نہیں ہو رہی بلکہ زندہ ہو رہی ہے۔ کیونکہ اگر جواب الجواب کا سلسلہ چلا تو یہ برائی متعدی ہو کر برق خرمن سوز بن سکتی ہے۔ بہت سے بال و پر نکالے گی۔ اور اگر حملہ آور میں جواب الجواب کی طاقت نہیں ہے تو یہ ضرور ہوگا کہ رنج۔ غصہ۔ اور عداوت کی چنگاریاں دل کی بھٹی میں سلگ جائیں گی۔ یعنی ایک ایسا شر پیدا ہو جائے گا جو کسی وقت بھی شرر انگیز ہو کر برق خرمن سوز بن سکتا ہے۔

اچھا اگر آپ اپنی ڈیوٹی انجام دینا چاہیں۔ تو کیا کرنا ہوگا! آپ کو خاص اس حالت میں کہ غصہ کے شعلے بھڑک رہے ہوں۔ ہر ایک رگ و ریشہ آتش غضب سے تپ رہا ہو۔ اور جذبات کا آتش فشاں پھٹنے کے لئے تیار ہو۔ عقل و بصیرت کے تمام چراغ گل ہوا چاہتے ہوں۔ ایسی بے قابو حالت میں ضبط و تحمل سے کام لینا ہوگا۔ عقل و بصیرت کو آواز دینی ہوگی۔ آپ فراست ایمانی سے ایسی صورت تجویز کریں گے کہ حملہ آور بجائے اس کے کہ آپ کی انتقامی کارروائی سے مجروح یا مشتعل ہو کر جواب الجواب کی صورتیں پیدا کرے اور اس برائی کو جو وہ پہلے کر چکا ہے مکرر سہ کرر عمل میں لا کر زندہ رکھے۔ آپ کا گرویدہ اور ممنون احسان ہو جائے۔ آپ کے اخلاق و کردار اور عالی ظرفی کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ وہ خود محسوس کرنے لگے کہ جو کچھ اس نے کیا تھا۔ غلط تھا۔ وہ مشتعل یا رنجیدہ ہونے کے بجائے اپنے کئے پر نادم اور آئندہ کے لئے تائب ہو ——— اس صورت میں یقیناً برائی ختم ہو رہی ہے۔ اور آپ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

قہر و غضب کے بے قابو جذبات کو کام میں لانا نفرت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سرد کرنا۔ عقل و ہوش سے کام لے کر عداوت کے بجائے محبت اور دوستی کا رشتہ جوڑنا آسان نہیں بہت مشکل ہے۔

مکرامت وسط اور خیرالامم کا فرد اپنا فرض منصبی اسی صورت سے انجام دے سکتا ہے جب اس مشکل کو سہل کرے۔

قرآن حکیم میں جگہ جگہ اسی عالی ظرفی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس کا ایک فقرہ الکاظمین[1] الغیظ والعافین عن الناس تو مشہور ہو کر ضرب المثل بن چکا ہے۔

سورہ حم سجدہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس عالی ظرفی کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً	اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف لوگوں کو بلائے اور عمل صالح کرے اور اعلان کرے کہ میں اللہ کا فرمانبردار ہوں۔
وقال اننی من المسلمین ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ	اور (دیکھو یہ بات مانی ہوئی ہے کہ) بھلائی اور برائی۔ برابر نہیں ہوتیں (پس کسی کی برائی کے جواب میں برائی نہ اختیار کرو بلکہ افضل ترین صورت
ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم	یعنی بھلائی اختیار کرو اور) برائی کا جواب ایسی بھلائی سے دو جو (موقع محل کے لحاظ سے) بہت عمدہ۔ بہتر اور بہت حسین ہو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ جس سے آپ کے تعلقات خراب تھے جن تعلقات میں عداوت اور دشمنی کے جسم دکھائی دیتے تھے وہ آپ کا سرگرم محبت دوست بن جائے گا
وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم	(مگر یہ ظرف عالی) انہیں کو نصیب ہوتا ہے جو سہار (ضبط و تحمل اور برداشت) رکھتے ہیں۔ اور
واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم ۵	یہ (مرتبہ بلند) انہیں کو میسر ہوتا ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں۔ اور اگر تمہیں شیطان کا چونکا لگ جائے (یعنی غصہ سے بے قابو ہو جاؤ۔ جو یقیناً شیطانی فعل ہے) تو

حم سجدہ ع ۵

صبر و تحمل کا مرتبہ بلند تو یقیناً میسر نہیں آیا۔ البتہ اس شیطانی حرکت سے جو داغ لگا ہے اس کے مٹانے کی صورت یہ ہے کہ) پناہ مانگو اللہ سے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

[1] پوری آیت یہ ہے: وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموٰت والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ واللہ یحب المحسنین (آل عمران ع ۱۴)

(ترجمہ:- اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ نیز اس جنت کی طرف جس کے پھیلاؤ کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین کی چوڑائی ایک طرف۔ اور اکیلا اس کا پھیلاؤ ایک طرف۔ اور جو متقی انسانوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ وہ متقی انسان جن کے اوصاف یہ ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگدستی ہر حال میں خدا کیلئے خرچ کرتے ہیں غصہ[2] ۱۴ میں آ کر بے قابو نہیں ہو جاتے بلکہ اس کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں (وہ نیاک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے۔

بقیہ حقیقت روزہ کا

(صفحہ ۱۵ سے آگے)

طبی دنیا میں فاقہ کشی کے ذریعہ علاج کرنے کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ روزہ داری سے انسان میں عجز و انکسار کی صفت پیدا ہوتی ہے امیر اور غریب میں مساوات پیدا ہوتی ہے روزہ امیروں کو ایک مہینہ کے لئے جبراً فاقہ کش بنا دیتا ہے اور وہ اپنے حال سے غریبوں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا احساس و شعور کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

روزہ داری کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان صبح سے شام تک کھانے پینے کی الجھنوں سے فارغ ہو کر قرآن پڑھے۔ قرآن سمجھے اور قرآن پر عمل کرے اور جہاد کے لئے تیار ہو۔ تراویح کا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان صف بستہ کھڑے ہو کر ایک دفعہ پورا قرآن حفاظ سے سن لیں۔ اور پھر زندگی کے میدان میں بھی اسی طرح صف بستہ ہو کر جہاد اسلامی کا نام روشن کریں۔ اعتکاف کا مقصد یہ ہے کہ خادمان حق ہنگامۂ دنیا سے کٹ کر صرف قرآن سے جڑ جائیں اور بالکل خالی الذہن ہو کر قرآن کے حقائق اور معارف پر غور کریں۔ عید الفطر کا مقصد یہ ہے کہ تمام امت مسلمہ عیدگاہوں میں جمع ہو کر شکرانہ ادا کرے۔

روزہ کے حکم سے یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہو۔ بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے۔ روزہ رکھنے سے پرہیزگاری کی قوت پیدا ہو گی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق حاصل ہوگا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ عبادتوں میں سختی و تنگی اختیار کرنا خدا کی خوشنودی ہے، روزے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ جسمانی خواہش بالکل ترک کر دی جائیں بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے۔ پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ میں جو کچھ ممانعت ہے۔ صرف دن کے وقت ہے۔ رات کے وقت کوئی روک نہیں زناشوئی کا تعلق کوئی برائی اور ناپاکی کی بات نہیں ہے جس کا عبادت کے مہینہ میں کرنا ناجائز ہو۔ وہ مرد اور عورت کا ایک فطری تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے حوائج میں وابستہ ہیں پس ایک فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو؟

یہودیوں کے یہاں روزہ کی شرطیں نہایت سخت تھیں۔ اُن میں سے ایک یہ تھی کہ اگر کوئی شام کو روزہ کھول کر سو جائے تو پھر دوبارہ اُٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح روزے کے مہینہ میں زناشوئی کا علاقہ بھی مطلقاً ممنوع تھا۔

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ انوار الٰہی ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں۔ مگر علائق بشریہ ان کو اصلاح بشری پر ظاہر ہونے میں حجاب ہو جاتے ہیں۔ سو ان علائق بشریہ کے دور کرنے میں روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور نزول قرآن بھی انوار الٰہی کا کامل ظہور ہے۔ یہی حکمت تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے جبکہ کوہ طور پر اُن کو تورات ملی اور خدا نے اُن سے کلام کیا تو اول اُن سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔ غالباً ان کو اسی وقت انجیل عطا ہوئی اور آنحضرت صلعم نے بھی غار حرا میں روزے رکھے سو وہاں قرآن نازل ہوا۔

درحقیقت روزہ روح کی تازگی اور جسم کی پژمردگی کے لئے ایک عجیب نسخہ ہے اور نیز مشقت کشی کے عادی ہونے کے لئے اور جسم کا تنقیہ کرنے کے لئے روزہ ایک مجرب نسخہ ہے۔ اسلام افراط اور تفریط سے پاک ہے۔ اگر جسم کو بالکل ہلاک کر دیا جائے تو روح کمالات کے حاصل کرنے میں محروم ہو جاتی ہے۔ اسلام میں اسی لئے سحر کھانا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے کہ سحری کھاؤ۔ اس میں برکت ہے۔ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے معتکف سوائے حاجت ضروری۔ پیشاب۔ پاخانہ یا نماز جمعہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ شرع میں مسجد کے اندر تقرب الٰہی کی نیت سے بیٹھنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ نفس سرکش کو زیر کرنے کے لئے بڑی عمدہ ریاضت ہے۔

مقصود بیان

فرضیت روزہ کا عمومی حکم خواہ دولت مند ہو یا نادار، امیر ہو یا مفلس۔ بادشاہ ہو یا فقیر سب پر بہ حکم ناطق مساویانہ طور پر لازم ہے۔ اس سے اسلامی احکام کی مساوات پسندی اور کا پتہ چلتا ہے فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف لطیف اشارہ، مادی قوتوں کے زور توڑنے کی طرف نادر تلمیح۔

روزہ تمام شریعتوں کا جزو لازم ہے۔ اس کی صراحت کر کے مسلمانوں کے لئے تسکین خاطر اور طمانیت قلبی کے مواد کی فراہمی سے رمضان کی حرمت، برکت اور کرامت کا اظہار قرآن کی

بقیہ خطبہ ـــــــ (صفحہ ۱۴ سے آگے)

نافذ نہیں ہوگا۔ اور اے مسلمان کیا یہ تیرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کی مراد وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے

حاصل

اس مطالبہ کا یہ نکلا۔ کہ حدود پاکستان کے اندر کتاب (قرآن مجید) اور سنت (رسول) کے مطابق قانون نافذ ہوگا

دستور ساز اسمبلی کی تصدیق

پاکستان کے مقصد لا الہ الا اللہ ہونے کی جو توجیہ میں نے کی ہے۔ اسی توجیہ قرارداد میں مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم نے کی ہے۔ جو دستور ساز اسمبلی نے منظور کی ہوئی ہے۔

وزیر اعظم پاکستان کی قرارداد

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے۔ کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔ جس میں اصول جمہوریت و

حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے۔ کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں۔ ترتیب دے سکیں۔

شہیدوں کی دس لاکھ روحوں کا مطالبہ

اے پاکستان کے بسنے والو، مشرقی پنجاب میں جو دس لاکھ مسلمان شہید کئے گئے تھے، اُن کی روحیں تمہیں زبان حال سے پکار رہی ہیں کہ جب ہمیں محض کلمہ گو ہونے کے باعث انتہائی بے دردی اور سفاکی سے اپنے بیوی بچوں کے سامنے قتل کیا گیا تھا اور ہم نے کلمہ کے ناموس کی خاطر جان دے دی تھی، تو اب پاکستان میں خوشیاں منانے والو اب کیوں کلمہ لا الہ الا اللہ کے جھنڈے کو سر بلند نہیں کرتے؟ اور اب کیوں اسلام محمدی کا نام لینے سے گھبراتے ہو؟ اور کیوں سیکولر "لادینی" ریاست بنانے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ یاد رکھو ہمیں ذبح کرا کر تم نے پاکستان میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا تو قیامت کے دن ہمارے ہاتھ ہوں گے اور تمہارے گلے ہوں گے۔ اور احکم الحاکمین کا دربار انصاف ہوگا۔ پھر دیکھنا تمہاری کیا گت بنتی ہے

اگر قیامت پر ایمان ہے

اور اعمال کی جزا، و سزا کے قائل ہو تو پھر تمہارے لئے دُنیا میں عزت پانے اور آخرت میں اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا جھنڈا بلند ہو اور اس کے ماتحت کتاب و سُنّت کا قانون رائج ہو (ارواح شہداء کا مطالبہ ختم)

لاکھوں بیوگان کا مطالبہ

اے پاکستان میں بسنے والو، خواہ عوام ہو یا خواص۔ رعایا ہو یا حکام، تم سے لاکھوں بیوگان یہ مطالبہ کر رہی ہیں۔ کہ اے ہمارے سہاگوں کے خون کی ہولی کھیل کر اور ہمیں در بدر دھکے دلا کر پاکستان بنانے والو، اب کیوں اُس خدا کے قانون کو پاکستان میں نافذ نہیں کرتے، جس کے لئے ہمارے سہاگوں کو بھینٹ چڑھایا تھا۔ اس کلمہ لا الہ الا اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ورنہ قیامت کے دن دربار شہنشاہ میں ہم مستغیث ہوں گی اور آپ مستغاث علیہ ہوں گے۔ پھر دیکھنا تمہاری کیا گت بنتی ہے

لاکھوں یتیموں کا مطالبہ

اے پاکستان کے بسنے والو تم سے وہ بے کس اور بے بس در در کے دھکے کھانے والے یتیم بچے بزبان حال مطالبہ کر رہے ہیں کہ اے پاکستان کے باشندو، ہمارے شفیق اور مہربان باپوں کے خون سے ہولی کھیل کر پاکستان بنانے والو، ہمارے باپوں کو جس مقصد کے لئے قربانی کا بکرا بنایا تھا۔ اُس وعدے کو پورا کرو۔ یعنی لا الہ الا اللہ والا قانون بنا کر پاکستان میں نافذ کر دو۔ تو فبہا، ورنہ یاد رکھو قیامت کے دن ہمارے ہاتھ ہوں گے اور تمہارے گریبان ہوں گے ہم مستغیث ہوں گے اور تم مستغاث علیہ ہوں گے۔ اور احکم الحاکمین کا دربار ہوگا جس میں فیصلہ صحیح ہوگا اور ہر مظلوم کی داد رسی ہوگی۔ اور کسی کی کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ پھر دیکھنا کس کو داد ملتی ہے اور کس کو پا بزنجیر کر کے دوزخ میں بھیجا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا ایک ضروری مطالبہ

دستور ساز اسمبلی جو قانون بنائے اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مستند اور مقتدر علمائے کرام کا ایک بورڈ نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر کیا جائے۔ کیونکہ دستور ساز اسمبلی کے اراکین کا عالم دین ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے ممکن ہے کہ بعض قوانین یا ان کی بعض شقیں دین محمدی جو تیرہ سو سال سے ثابت ہے کے خلاف تجویز ہو جائیں اور علمائے کرام کے اس بورڈ کا فیصلہ خواہ متفقہ ہو یا اکثریت کی تائید اسے حاصل ہو وہی قطعی اور آخری فیصلہ سمجھا جائے

اس بورڈ کے دو شعبے

(الف) سُنیوں سے متعلقہ احکام پر نظر ثانی کرنے والا بورڈ سُنی علماء کا ہوگا۔

(ب) اور شیعہ حضرات کے متعلقہ قوانین کی دیکھ بھال کرنے والا بورڈ شیعہ حضرات کے مستند علماء کرام سے مرتب ہوگا شیعہ حضرات کے متعلق بھی اس بورڈ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کو زندہ، تابندہ اور پائندہ بنانے کے اصول

پہلا

یورپین تہذیب و تمدن میں سے مخرب اخلاق چیزوں کو روکنا مثلاً مخلوط تعلیم۔ دفاتر میں مخلوط ملازمتیں، سینما، ڈانس، جوئے کی مختلف صورتیں مثلاً لاٹری وغیرہ

دوسرا

سکولوں اور کالجوں میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ایک معقول درجہ تک پڑھائی جائے تاکہ انہیں اسلام کی اہمیت، معقولیت اور تمام مذاہب پر فوقیت کا یقین کامل ہو جائے اور دین اسلام کے متعلق طلبہ اور طالبات کو اتنی معلومات ہوں کہ وہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اپنے مذہب کی فوقیت بدلائل واضح کر سکیں۔ اور زنانہ تعلیم بھی زمانہ میں شعائر اسلامی پھونکنے کی بھی پوری کوشش کی جائے۔ مثلاً نماز پڑھنے روزہ رکھنے کو لازمی قرار دیا جائے۔

تیسرا

جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں تاکہ باقی کے ہوش ٹھکانے پر آجائیں۔ مثلاً سمگلروں کو رشوت خوروں کو اغوا کنندگان کو، چوروں کو، ڈاکوؤں کو بلیک مارکیٹ کرنے والوں کو، بددیانت افسروں کو وغیرہ وغیرہ۔

چوتھا

مسلمانان پاکستان میں جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جذبۂ جہاد پیدا کرنا۔ کہ اگر پاکستان کی کسی سرحد پر دشمن حملہ آور ہو تو سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کے شعلے بھڑک اُٹھیں۔

پانچواں

مسلمانوں کو جب پاکستان کے دفاع کے لئے ہر وقت تیار رکھنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لائسنس کی پابندی ہٹا دی جائے اور مسلمانوں کو ہتھیاروں کے رکھنے اور ان کے استعمال کی طریقے سیکھنے کی عام اجازت دی جائے۔ قرآن مجید میں بھی مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷
ایڈیٹر
عبد الحنان چوہان

منظور شدہ محکمۂ تعلیم لاہور رحین بذریعہ چٹھی نمبر ۱۶۳۲۱/ج
مورخہ ۳ر مئی ۱۹۵۶ء

بدل اشتراک
سالانہ ...... للعہ/
ششماہی ...... ع/
فی پرچہ ... چار آنے

بقیہ خطبہ (صفحہ ۲۳ سے آگے)

جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی خدمت

میں اپنی اور اپنے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء کرام کی طرف سے جذبۂ جہاد کی روح مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے خدمات پیش کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ خزانۂ پاکستان سے تنخواہ نہیں لیں گے البتہ بہترین نئی اور تیز رفتار موٹریں اور پٹرول اور ڈرائیور حکومت کے ہوں گے۔

بشرطیکہ

علماء کرام یہ خدمت حسبۃً للہ مفت انجام دیں گے بشرطیکہ "حکومت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان پہلے چار اصول کو عملی جامہ پہنا دے۔

وما علینا الا البلاغ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ط

بقیہ شذرات :— (صفحہ ۳ سے آگے)

عید مبارک

(صفحہ ۳ سے آگے)

ان کو اس مبارک مہینہ کی برکات سے پورا حصّہ عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین۔ ہم ان کی خدمت میں بھی عید مبارک عرض کرتے ہیں۔

اکثریت ان بدقسمت مسلمانوں کی ہے۔ جنہوں نے پورا مہینہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی اور رحمۃ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی خلاف ورزی میں بسر کر دیا۔ ان کے لئے رمضان المبارک کا آنا نہ آنا برابر تھا۔ اگر وہ اس کی آمد سے پہلے بدقسمت تھے تو اس کے جانے کے بعد ان کی بدقسمتی میں اضافہ ہو گیا۔ کاش ان کو اس کا احساس ہوتا کہ روحانی لحاظ سے ان کا کتنا بھاری نقصان ہوا ہے ہم اس قسم کے مسلمانوں کے لئے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو خوش قسمت بنائے۔ اور دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ تاکہ توبہ و استغفار کے ذریعہ وہ اس نقصان کی تلافی کر سکیں۔ اور اگر آئندہ سال زندگی ہے تو اس مبارک مہینہ سے پوری طرح مستفیض ہو سکیں۔

آمین یا الٰہ العٰلمین!

(ایڈیٹر)

(پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے شائع ہوا)